وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچ کو لایا اور جس نے سچ کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری کے

"وساوس کا ازالہ"

الناشر

مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد

ربوہ

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

اور جو سچ کو لایا اور جس نے سچ کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری کے

"وساوس کا ازالہ"

مؤلفہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری

عرض حال

حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری جامع بڈوہلی سیالکوٹ نے ایک کتابچہ بعنوان "مرزائے قادیان کے دس جھوٹ" لکھ کر شائع کیا تھا۔ اور کتاب کے آخر میں پانچ مزید جھوٹ کے الزامات بھی لگائے تھے۔

ہم یہہ کتاب اس لئے شائع کر رہے ہیں تاکہ جو غلط فہمیاں حافظ صاحب نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف جھوٹ کے پندرہ الزامات لگا کر پھیلانے کی کوشش کی ہے ان کا ازالہ کیا جائے۔ اور ان کی اپنی غلط فہمیوں کو بھی دور کیا جائے۔ ہم بہر حال سب بنی نوع انسان کے خیر خواہ ہیں اور ان سے ہمدردی اور بھلائی ہماری زندگی کا اصول ہے۔

نوٹ: کتاب ہذا کے مضامین کی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْهِ اُنِيْب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

پیش لفظ

حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری جامع مسجد بڈوہلی ضلع سیالکوٹ نے ایک اشتہار بعنوان "مرزائے قادیان کے دس جھوٹ" شائع کیا تھا جس میں جماعت احمدیہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"احمدی جماعت کے معزز ممبرو! ہم نے آپ کے "حضرت صاحب" کی کتابوں سے بطور نمونہ "حضرت اقدس" کے دس جھوٹ اور فریب تحریر کئے ہیں۔ ہماری طرف سے خلیفہ صاحب سے لیکر ایک ادنیٰ احمدی کے لئے عام اعلان ہے کہ مرزا صاحب پر ہمارے الزام غلط ثابت کیجئے۔ ہم آپ کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دینگے۔ اور ساری عمر مرزا صاحب کی تردید چھوڑ دینگے۔"

جماعت احمدیہ بڈوہلی نے حافظ صاحب کے اس چیلنج کو منظور کر لیا۔ اور اشتہار بعنوان "حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری جامع مسجد بڈوہلی کا چیلنج منظور" شائع کیا۔ اس کی ایک کاپی رجسٹری کروا کر حافظ صاحب کو بھیجدی۔ جو حافظ صاحب نے وصول نہ کی۔ جماعت احمدیہ

بڈھڈمی نے اس اشتہار میں چیلنج کی منظوری دیتے ہوئے حافظ صاحب کو لکھا۔
کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر ایک ہزار روپیہ کسی معتبر آدمی کے نام پر جس پر
جماعت احمدیہ کو اعتماد ہو۔ بنک میں انعامی غرض کے لئے جمع کر دیویں۔ اور
تصفیہ کی باقی شرائط طے کر لیں۔ ہم ان کے عائد کردہ الزامات کے جوابات
انشاء اللہ شائع کر دینگے۔ اور فریقین کی رضامندی سے مقرر کردہ ثالث کے
پاس بھجوا دینگے۔“

جماعت احمدیہ بڈھڈمی کے اس اشتہار پر حافظ صاحب یہ انعامی رقم جمع
کروانے کے لئے تیار نہ ہوئے اس پر جماعت احمدیہ بڈھڈمی نے حافظ صاحب کی
پیدا کردہ غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے ایک 32 صفحہ کا رسالہ شائع کر دیا۔
ایڈیٹر صاحب پیغام صلح لاہور نے بھی اپنے اخبار میں حافظ صاحب کے
اس اشتہار کا جواب شائع کیا۔ اب حافظ صاحب نے جماعت احمدیہ بڈھڈمی
کے رسالہ اور ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کے مضامین کے جواب میں ایک رسالہ
”مرزائے قادیان کے دس جھوٹ“ کے نام سے شائع کیا ہے جس میں ہمارے رسالہ
اور پیغام صلح کے مضامین کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ حافظ صاحب اس
رسالہ کے صفحہ ۹۱، ۹۲ پر خاتمہ کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

”ہم نے مرزائے قادیان کے دس جھوٹ کے
سلسلہ میں تمام اوہام اور تاویلات کا جواب دیدیا
ہے جو مرزائی مجیب صاحبان نے مرزا جی کی حمایت
میں پیش کئے تھے۔ جس کے بعد ہمارے الزام
بدستور مرزا صاحب پر قائم ہیں۔ ہم اب بھی
واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ مرزائی جماعت

اگر چاہے تو ثالث اور دیگر شرائط کا تصفیہ کر لے۔ اس کے بعد
ہمارا اشتہار لاہوری ایڈیٹر کے مضامین لائل پوری فاضل کا
رسالہ اور ہمارا جواب الجواب اس ثالث کے پاس بھیجدے
جائیں۔ اگر ثالث کا فیصلہ میرے خلاف ہو اور میرا الزام
مرزا صاحب پر صحیح ثابت نہ ہو تو میں بلا توقف ایک ہزار
روپے نقد ادا کر دوں گا۔ بشرطیکہ مرزائی جماعت اس
بات کی ضمانت دے کہ اگر ثالث نے مرزا صاحب کے
خلاف فیصلہ دیا۔ اور میرا جھوٹ کا الزام صحیح تسلیم کر لیا
تو کم از کم دس مرزائی مرزائیت چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام
ہو جائیں گے۔“

حافظ صاحب کے جو الفاظ بشرطیکہ کے لفظ سے شروع ہوتے ہیں
اور جن پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے۔ ظاہر کرتے ہیں کہ دراصل وہ اپنے
پہلے اعلان سے گریز کر چکے ہیں۔ کیونکہ ان کے پہلے انعامی چیلنج والے اشتہار
میں ان کی ان خط کشیدہ الفاظ میں بیان کردہ شرط مذکور نہ تھی۔ کہ
دس مرزائی توبہ کریں۔ بلکہ ان کی طرف سے احمدیوں کو مخاطب کر کے
صرف یہ اعلان تھا۔ کہ

”مرزا صاحب پر ہمارے الزام غلط ثابت کیجئے۔ ہم آپ
کو ایک ہزار روپے نقد انعام دیں گے۔ اور ساری عمر
مرزا صاحب کی تردید چھوڑ دیں گے۔“

اب حافظ صاحب نے دس مرزائیوں کے توبہ کرنے کی یہ نئی شرط
اس لئے عائد کی ہے کہ نہ کوئی ایسی شرط مانے گا اور نہ مجھے ہزار روپیہ

دینا پڑے گا۔ کیونکہ کسی ثالث کے فیصلہ پر کوئی شخص اپنے مذہبی عقائد تبدیل نہیں کر سکتا۔

ان کے اس نئے اعلان کے جواب میں ہم بھی واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ چونکہ دس احمدیوں کے توبہ کرنے کی شرط ان کے پہلے انعامی اشتہار میں مذکور نہیں۔ اس لئے حافظ صاحب کو اب ایسی شرط لگانے کا از روئے انصاف کوئی حق نہیں۔ نیز احمدی خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔ اس لئے ان کا توبہ کر کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری بات جو اس سلسلہ میں ہم کہنا چاہتے ہیں۔ یہ ہے کہ چونکہ حافظ صاحب معترض کی حیثیت میں ہیں۔ کیونکہ انھوں نے حضرت مرزا صاحب پر بصورت اعتراض بغرض تکذیب دس جھوٹوں کا الزام لگایا ہے۔ اور ہم ان کے اعتراضات کے دفع کرنے میں مجیب کی حیثیت میں ہیں۔ اس لئے ثالث کے سامنے آخری جواب الجواب پیش کرنے کا حق ہمیں حاصل ہونا چاہیئے۔ نہ کہ حافظ صاحب کو کیونکہ صفائی کا آخری حق ملزم کو ملنا چاہیئے۔

چونکہ الزام حضرت اقدس پر لگائے گئے ہیں۔ اور ہم جواب میں حضرت اقدس کی طرف سے وکیل ہیں۔ اس لئے صفائی پیش کرنے کا آخری حق ہمیں ملنا چاہیئے اگر حافظ صاحب اس امر کو قبول نہ کریں تو ان کی مرضی ہم حقیقت حال عرض کر دی ہے ہم انہیں مجبور نہیں کر سکتے۔

جھوٹ کے الزامات کے جوابات

اس ضروری تمہید کے بعد اب ہم حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری کے جواب الجواب کی حقیقت پر بتوفیق الٰہی روشنی ڈالتے ہیں۔ اور ان الزامات کے جوابات نمبر وار اس رسالہ میں درج کرتے ہیں۔

الزام اوّل یہ تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے شہادت القرآن کے صـ۵۹ پر تحریر فرمایا ہے۔ کہ

مسیح موعود کا چودھویں صدی کے سر پر آنا قرآن و حدیث اور اولیاء اللہ کے مکاشفات سے ثابت ہے۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب نے اسے حضرت مرزا صاحب کا جھوٹ قرار دے کر ہم سے قرآن و حدیث کا حوالہ مانگا تھا۔ ہم نے اپنے رسالہ میں قرآن و حدیث کے علاوہ ان کے مسلمہ بزرگوں کے حوالجات بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اس بیان کی تصدیق میں پیش کر دیئے۔ چنانچہ قرآن مجید سے یہ مضمون ثابت کرنے کے لئے ہم نے آیتِ استخلاف پیش کی جو سورہ نور میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ الخ

اور اس آیت سے دکھایا۔ کہ اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ امت محمدیہ کے خلفاء امت موسوی کے خلفاء کے مشابہ ہوں گے۔ حضرت اقدس کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام امت موسوی کے آخری خلیفہ تھے۔ جو حضرت موسےٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ سو سال کے بعد ہوئے۔ اس لئے مسیح محمدی کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے۔ چودھویں صدی کے سر پر آنا چاہیئے۔

ہمارا رسالہ ص۱۳

حافظ صاحب نے اپنے رسالہ میں اس پر جرح کرتے ہوئے حضرت اقدس کی کتاب سرّ الخلافہ سے بعض حوالہ جات پیش کر کے یہ لکھا ہے۔ کہ

مرزا صاحب کی ان تصریحات کا مطلب صاف ہے کہ اس آیت میں فرمودہ خلافت صرف اور صرف حضرت ابوبکر کی خلافت ہے۔ باقی تین خلفاء کی خلافت بھی اس آیت کا مصداق نہیں۔ مرزا جی کے اس اقبال کے بعد آخر مرزا جی کو اس آیت کریمہ کا مصداق کہا جائے تو کیوں ہ

جرح کا جواب

اس کے جواب میں عرض ہے کہ کتاب سرّ الخلافہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کی خلافت بلافصل کے ثبوت میں لکھی گئی ہے۔ اور اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کے اکمل مصداق تھے۔ کیونکہ اس آیت میں موعود خلفاء کے ذریعہ دو باتوں کے ظہور میں آنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔

اول:۔ تمکین دین۔

دوم:۔ خوف کی امن سے تبدیلی۔

حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ چونکہ یہ دونوں باتیں وقوع میں آ گئیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ اس آیت کے اکمل مصداق ثابت ہوئے اور باقی خلفاء راشدین آپ کے توابع ہو کر اس کا مصداق ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آپ نے برحق مانتے ہوئے اس کے بارہ میں لکھا۔

"وَالْحَقُّ اَنَّ الْحَقَّ كَانَ مَعَ الْمُرْتَضٰى فَمَنْ قَاتَلَهٗ فِيْ وَقْتِهٖ فَقَدْ بَغٰى وَطَغٰى وَلٰكِنْ خِلَافَتُهٗ مَا كَانَ مِصْدَاقَ الْاَمْنِ الْمُبَشَّرِ مِنَ الرَّحْمٰنِ"

کہ سچی بات یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ (امر خلافت میں) حق پر تھے اور جس نے آپ کے وقت (عہد خلافت) میں آپ سے جنگ کی ہے۔ اس نے بغاوت اور سرکشی کی ہے۔ لیکن آپ کی خلافت اس امن کی مصداق نہیں تھی جس کی خدا تعالےٰ کی طرف سے بشارت دی گئی تھی۔ گویا حضرت اقدس کے نزدیک وہ واقعاتی لحاظ سے آیت استخلاف کے صرف اس حصہ کے مصداق نہ تھے جس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ کہ خدا ان کے خوف کو ضرور

امن سے بدل دے گا۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب نے اس عبارت کے آخری حصہ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ حضرت علی رضؓ کی خلافت اس آیت کا مصداق نہیں اور اس ترجمہ سے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت اقدس حضرت ابوبکر رضؓ کے سوا اس آیت کا کسی اور خلیفہ کو مصداق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا بلکہ انھوں نے حضرت علی رضؓ کو واقعاتی لحاظ سے اس آیت کے خوف کو امن سے بدلنے والے حصہ کا مصداق قرار نہیں دیا۔ مقصود اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت ابوبکر چونکہ اس آیت کے اکمل مصداق ہیں لہٰذا وہی خلیفۂ بلا فصل ہیں۔

سرّ الخلافہ کی اس تحریر کا اگر یہ منشا ہوتا کہ حضرت اقدس ساری امت محمدیہ میں قیامت تک اس آیت کا مصداق صرف اور صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو سمجھتے ہیں تو آپ اپنی کتابوں شہادۃ القرآن اور تحفہ گولڑویہ میں امت محمدیہ کے تمام مجددین کو اس آیت کا مصداق قرار دیکر خلفائے امت محمدیہ نہ لکھتے۔ اور نہ اپنے تئیں سلسلہ محمدیہ کا اس آیت کے رو سے آخری خلیفہ قرار دیتے جس طرح کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موسوی سلسلہ کا آخری خلیفہ سمجھتے ہیں۔

پس حافظ صاحب کا حضرت اقدس کی دوسری کتابوں کے مضمون کو نظر انداز کرکے صرف سرّ الخلافہ کی بعض عبارتوں سے یہ غلط فہمی پھیلانا کہ آپ اس آیت کا مصداق صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی سمجھتے ہیں۔ صریح بے انصافی ہے۔

اس موقعہ پر حافظ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

خلافت سے انکار کے لئے آپ کے انگریزوں کی رعایا میں سے ہونے پر بھی طعن کی ہے۔ مگر انھوں نے سوچا نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی مشابہت امرِ خلافت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قرار دے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح قیصر روم کی حکومت کے ماتحت تھے (جو اسرائیلی حکومت نہ تھی) جس طرح حضرت مرزا صاحب انگریزی حکومت کے ماتحت تھے۔ پس یہ امر تو کسی نکتہ چینی کے قابل نہیں تھا۔ بلکہ اس سے تو آپ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے امر خلافت میں ایک مشابہت ثابت ہو رہی ہے۔

بُعدِ زمانہ کے لحاظ سے مشابہت

پھر حافظ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۶۴/۳۶۵ کی ایک عبارت پیش کرکے لکھتے ہیں:۔

"یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ کے بعد چودھویں صدی کے سر پر نہیں بلکہ چودہ سو سال بعد یعنی پندرھویں صدی میں تشریف لائے"

گویا حافظ صاحب اس عبارت سے یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ شارع نبی سے بُعدِ زمانہ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں مشابہت نہیں۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام دونوں کے زمانہ میں اپنے اپنے سلسلہ کے شارع نبی سے بُعدِ زمانہ میں کافی مشابہت موجود ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام دونوں نے اپنے اپنے سلسلہ کے شارع نبی کے بعد چودھویں صدی میں اپنی عمر کا ایک حصہ گذارا ہے۔ ہاں چونکہ حضرت

عیسیٰ علیہ السّلام کی عمرِ نبوت کا اکثر حصہ پندرھویں صدی میں گذرا
ہے۔ اور انھوں نے صرف اپنی نبوت کے پندرہ سال چودھویں صدی
میں گذارے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے
ازالہ اوہام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کو موسیٰ علیہ السّلام
سے چودہ سو سال بعد بتایا ہے۔ ورنہ بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی موسیٰ علیہ السّلام سے چودھویں صدی کے آخر میں ہی ہوئی ہے اور
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت چودھویں صدی کے شروع
میں ہوئی ہے۔

گویا دونوں کی بعثت اپنے اپنے شارع نبی سے چودھویں صدی میں
ہوئی ہے۔ اور یہ امر مماثلت اور مشابہت کے لئے بہت کافی ہے چنانچہ
اگر ایک شخص کسی جمعہ کے دن اول حصہ میں پیدا ہو۔ اور دوسرا کسی اور
جمعہ کے دن آخری حصہ میں پیدا ہو تو جمعہ کے دن پیدا ہونے میں دونوں
ضرور مشابہت رکھیں گے۔ اس امر کی تحقیق کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام
کی بعثت بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد چودھویں صدی میں ہوئی
ہے۔ آگے آتی ہے۔

ایک اور حساب پھر حافظ صاحب نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۸۳
کی عبارت سے یہ استنباط کیا ہے۔ کہ:۔

"آنحضرت موسیٰ کے بعد بائیسویں صدی میں پیدا ہوئے
اب رہی یہ بات کہ حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔ تو یہ امر مسلمہ ہے کہ آنحضرت
اپریل ۵۷۱ء یعنی چھٹی صدی میں پیدا ہوئے۔ بائیسویں صدی

سے چھ صدی نکال دیجئے۔ تو نتیجہ صاف ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ
حضرت موسیٰ کے بعد سولھویں صدی میں تشریف لائے پس
نتیجہ صاف ہے کہ مرزا صاحب اپنے بیان کے مطابق مقررہ
وقت سے بہت پہلے (۲۰۰ سال بیفور ٹائم) تشریف لے
آئے ہیں۔ لہٰذا آپ مسیح موعود نہیں"

(رسالہ حافظ صاحب)

الجواب حافظ صاحب کے اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ
انھوں نے جو حساب اس جگہ پیش کیا ہے وہ غلط ہے اس
لئے وہ غلط نتیجے پر پہنچے ہیں۔ ورنہ حساب کی صحیح صورت کا نتیجہ جسکی
تفصیل میں آگے درج کروں گا یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد بائیسویں صدی میں آنا قمری حساب
سے ہے۔ کیونکہ یہی حساب یہود میں رائج تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
۵۷۱ء میں پیدا ہوئے جو شمسی حساب سے ہے۔ اس لحاظ سے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قمری حساب سے ۱۳۸۵
سال بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ گویا ان کی چودھویں صدی کے آخری حصہ
میں بعثت ہوئی ہے۔

تفصیل اس کی یوں ہے کہ بائیسویں صدی حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے بعد ۲۱۰۱ سے شروع ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء
میں پیدا ہوئے اور چالیس سال کی عمر میں ۶۱۱ء میں آپ مبعوث ہوئے
۶۱۰ سالوں کو قمری سالوں میں تبدیل کرنے سے ۱۶ سال بڑھانا پڑتے ہیں۔
تو قمری سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ۶۲۶ قرار

پاتا ہے۔ ۶۲۶ سالوں کو ۲۱۰۱ میں سے کم کر دیا جائے۔ تو ۱۴۷۵ سال بنتے ہیں۔ یہ زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیانی زمانہ قرار پاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ السلام جیسا کہ مشہور ہے ۳۰ سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ اور حدیث اِنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عَاشَ مِائَۃً وَّ عِشْرِیْنَ سَنَۃً (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ و طبرانی وغیرہ) کے مطابق ۱۲۰ سال زندہ رہے۔ ۱۲۰ سالوں میں سے ۳۰ سال کم کر دئے جائیں تو ۹۰ سال رہتے ہیں۔ ان ۹۰ سالوں کو ۱۴۷۵ سے کم کیا جائے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد قمری حساب سے ۱۳۸۵ قرار پاتا ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چودھویں صدی قمری کا آخری سرا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چودھویں صدی کے شروع میں مبعوث ہوئے ہیں۔ پس دونوں کی بعثت کے چودھویں صدی میں وقوع میں آنے میں مشابہت صاف ظاہر ہے۔

ہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر کا ایک بڑا حصہ تیرھویں صدی میں گذرا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی عمر کا بڑا حصہ پندرھویں صدی میں گذارا ہے۔ اور یہ فرق مشابہت میں حارج نہیں۔ کیونکہ مشابہت میں تمام جزئیات کا پایا جانا ضروری نہیں۔ صرف اہم امر میں مشابہت ضروری قرار دی جاتی ہے۔ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پندرھویں صدی کے پہلے سرے پر بھی مبعوث ہوتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چودھویں صدی میں

تو دونو کے زمانے اپنے شارع نبی سے بُعد کے لحاظ سے پھر بھی مشابہ ہی قرار پاتے مگر اس جگہ تو اصل حقیقت یہ ہے کہ دونو نے عمر کا ایک حصہ بہر حال چودھویں صدی میں گذارا ہے۔

دیکھئے کہ اگر ایک بچہ کسی جمعہ کے دن اول حصہ میں پیدا ہو۔ اور دوسرا کسی اور جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں تو دونوں کی پیدائش کے جمعہ کے دن ہونے میں مشابہت قرار پائے گی۔ اسیطرح مسیح موعود علیہ السّلام نے چودھویں صدی کے اول حصہ میں ظہور فرمایا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام چودھویں صدی کے آخر میں ظہور پذیر ہوئے۔ اس طرح دونوں اپنے شارع نبی سے چودھویں صدی میں ہوئے اور اپنے سلسلہ کے شارع نبی سے چودھویں صدی میں ہونے میں مشابہت رکھتے ہیں۔

پس حافظ صاحب کا یہ اعتراض سراسر باطل ہے کہ مرزا صاحب ۲۰۰ سال قبل از وقت تشریف لائے ہیں۔

حدیث کا مطالبہ

حافظ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے چودھویں صدی میں آنے کے بارہ میں حدیث کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ جس پر دو حدیثیں ہم نے اپنے رسالہ میں اور ایک حدیث ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے اس مطالبہ کے جواب میں پیش کی تھیں۔ ہم نے حدیث کے متعلق مطالبہ کے جواب میں اپنے رسالہ میں لکھا تھا کہ حدیث سے یہ مضمون یوں ثابت ہے کہ حذیفہ بن یمان سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اِذَا مَضٰی اَلْفٌ وَمِائَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ سَنَۃً یَبْعَثُ اللّٰہُ الْمَھْدِیَ۔"

(النجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ بحوالہ موعود اقوام عالم)

کہ ایک ہزار دو سو چالیس سال گذر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مہدی کو بھیجیگا۔

ہم نے لکھا تھا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مہدی موعود کو اس حدیث کے مطابق ۱۲۴۰ سال کے بعد ظاہر ہونا چاہیئے۔ واقعات کی شہادت سے یہ حدیث مدنی معلوم ہوتی ہے۔ لہذا اگر ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے دس سال ۱۲۴۰ میں شامل کئے جائیں تو ۱۲۵۰ ہجری بن جاتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش کا سال ہے۔

ابو داؤد کی حدیث میں آیا ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔"

(ابوداؤد جلد ۲ مشکوٰۃ کتاب العلم)

کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرے گا۔ جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کیا کرے گا۔ چونکہ حدیث لا المھدی الا عیسیٰ (ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ مصر باب شدۃ الزمان) کے مطابق مسیح اور مہدی ایک ہی شخص ہے۔ اور مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ کی حدیث یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَھْدِیًا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ بھی مسیح موعود

کو ہی امام مہدی قرار دیتی ہے۔ اور مسیح موعود باوجود امتی نبی ہونے کے اس امت کا ایک مجدّد ہے۔ اس لئے دونو حدیثوں کو مدنظر رکھنے سے مسیح موعود کا چودھویں صدی کے سر پر آنا متعین ہو جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب حجج الکرامہ صفحہ ۳۱۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ

"نیز وارد شدہ کہ ظہور مہدی بر سر مائتہ باشد"

کہ یہ بھی آیا ہے کہ مہدی کا ظہور صدی کے سر پر ہوگا

پھر دوسری حدیث ہم نے یوں پیش کی کہ حدیث یکسر الصلیب کے الفاظ بتاتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کو صلیبی غلبہ (یعنی عیسائیوں کے غلبہ) کے وقت ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ مسیح موعود کا چودھویں صدی کے سر پر ظہور ہوا۔ جو عیسائی حکومت کے غلبہ کا زمانہ تھا۔ اب تو صلیبی حملہ پسپا ہو رہا ہے۔ چنانچہ انگریز ہندوستان چھوڑ چکے ہیں۔ اور کئی اور ملک بھی عیسائی حکومتوں کے قبضہ سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اور یہ امر صلیب پرستوں کی کمزوری کی ایک واقعاتی شہادت ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ مسیح موعود کا چودھویں صدی پر بموجب احادیث نبویہ ظاہر ہونا ضروری تھا۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب نے ہماری اس دوسری حدیث پر جو صحیح بخاری میں موجود ہے کوئی جرح نہیں کی۔ یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری اس دلیل سے وہ لاجواب ہو چکے ہیں۔

البتہ پہلی روایت کو حدیث ماننے سے انھوں نے انکار کر دیا ہے
مگر ہمارا مقصد تو اس دوسری حدیث سے بھی واضح ہے جس پر
وہ کوئی بھی جرح نہیں کر سکے ۔ لہذا ان کے مطالبہ کو پورا کرنے
کے لئے یہ ایک ہی حدیث کافی ہے ۔ پہلی حدیث کے متعلق حافظ
صاحب بعض عذرات کرتے ہیں ۔

اول :- کہ حدیث کس مستند کتاب میں ہے ۔ النجم الثاقب
نامعلوم کس کی کتاب ہے ۔ کس فن میں ہے ۔ اس کا کیا نام ہے
اس کتاب کے مصنف نے یہ حدیث کہاں سے لی ہے ۔ اس حدیث
کی سند کیا ہے ۔

دوم :- لکھا ہے :- یہ عربی عبارت مرزا صاحب کے
اصول کے مطابق بھی حدیث نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ اس کا مضمون
مہدی معہود کی پیشگوئی پر مشتمل ہے ۔ اور آپ ابھی ابھی مرزا
صاحب کا ارشاد ملاحظہ کر چکے ہیں ۔ کہ پیشگوئیوں میں ابہام
ہے ۔ صاف اور مفصل بیان نہیں ہوتا ۔ کیونکہ پیشگوئی سے مقصد
امتحان ہوتا ہے ۔ اس لئے اسمیں صدی تک کا ذکر نہیں ہوتا ۔
حضرت اقدس کی عبارت کا یہ مفہوم پیش کر کے حافظ صاحب آگے لکھتے ہیں

جب حسب ارشاد مرزا صاحب الہامی پیشگوئیوں میں صدی
وغیرہ کا ذکر بھی نہیں ہوتا ۔ تو پھر اس عربی عبارت کو آنحضرت
کی حدیث کس طرح کہا جا سکتا ہے ۔ جس میں صدی چھوڑ کر
سنہ ۱۲۴۰ کا ذکر ہے ۔

سوم :- پھر آخر میں لکھا ہے ۔

اگر اسے چند منٹ کے لئے حدیث رسول بھی تسلیم کر لیا جائے پھر
بھی مرزا صاحب اس کے مصداق نہیں ہو سکتے ۔ کیونکہ اس کا مضمون
آپ کی تشریح کے مطابق یہ ہے ۔ کہ سنہ ۱۲۵۰ میں امام مہدی مبعوث
ہوں گے ۔ اور آپ کے اقرار کے مطابق مرزا جی سنہ ۱۲۵۰ میں مبعوث
نہیں بلکہ پیدا ہوئے ۔ اور ان کے مبعوث ہونے تک چودھویں صدی کا
آغاز ہو چکا تھا ۔ نتیجہ صاف ہے ۔ کہ مرزا جی اس حدیث کے مطابق
کم از کم ۶۰ سال لیٹ آئے ۔

الجواب امر اول کے جواب میں عرض ہے کہ حافظ صاحب کو
اس روایت کے حدیث نبوی ہونے سے انکار ہے ۔ مگر
قبل از تحقیق ان کا کسی حدیث سے انکار کر دینا جائز نہیں ۔ اگر آپ
اسے حدیث نبوی نہ بھی سمجھیں تو بھی ہمارے مقصد میں کوئی حرج
واقع نہیں ہوتا ۔ کیونکہ آپ کا اصل اعتراض تو ہماری دوسری حدیث
یکسر الصلیب کے الفاظ سے ہمارے استدلال کے ذریعہ اٹھ چکا ہے
اور آپ اس کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکے ۔ یہ حدیث صحیح
بخاری میں موجود ہے ۔ اور سنہ ۱۲۴۰ کے بعد مہدی کے ظہور کے متعلق
جو حدیث پیش کی گئی ہے ۔ صحیح بخاری کی یہ حدیث اس کی مؤید
ہے ۔ پھر بزرگوں کے اقوال بھی اس حدیث کی تائید کرتے ہیں ۔
النجم الثاقب جس سے یہ حدیث موعود اقوام عالم کے
مصنف نے اپنی کتاب میں درج کی ہے ۔ کسی احمدی مصنف
کی کتاب نہیں ۔
پھر جب دوسری حدیثیں اور بزرگوں کے اقوال اس کے مؤید

ہیں۔ تو حافظ صاحب کو اس کی سند معلوم نہ ہونے پر بھی اس کے
حدیث ہونے سے انکار نہیں کر دینا چاہیئے تھا۔
محققین علماء کا یہ طریق نہیں کہ بلا تحقیق کسی حدیث کو رد کر دیں
وہ ایسی صورت میں توقف ہی اختیار کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے
مضمون کی مؤید حدیث موجود ہو تو پھر اس کے بارہ میں توقف بھی
اختیار نہیں کرتے۔ پھر جب ہماری طرف سے دوسری حدیث یکسر الصلیب پیش کی گئی
تو اسے سن کر حافظ صاحب کو اپنا الزام واپس لے لینا چاہیئے تھا
کیونکہ حدیث یکسر الصلیب کے مطابق حضرت مسیح موعود کو عیسائیت
کے غلبہ کے وقت ظاہر ہونا چاہیئے اور چودھویں صدی کے آغاز
میں عیسائیت کا غلبہ موجود تھا۔ جواب مبدّل بہ پسپائی ہو چکا ہے
لہٰذا بموجب حدیث یکسر الصلیب مسیح موعود کے ظہور کے لئے
چودھویں صدی متعین ہو جاتی ہے۔
پس ان کا الزام صحیح بخاری کی اس حدیث سے اٹھ چکا ہے۔
وھٰذا ھو المراد

امر دوم :۔ امر دوم کے جواب میں واضح ہو کہ اگر حضرت مرزا صاحب
کا یہ اصول ہوتا کہ پیشگوئی میں صدی کا ذکر نہیں ہوتا۔ تو پھر آپ شہادۃ
القرآن میں یہ کیوں فرماتے۔ کہ
"چودھویں صدی کے سر پر مسیح موعود کا آنا قرآن و حدیث
اور اولیاء کے مکاشفات سے ظاہر ہے"
حضرت اقدس کی جس عبارت سے حافظ صاحب یہ اصول اخذ
کر رہے ہیں۔ اس میں تو یہ مذکور ہے کہ پیشگوئیوں میں اخفاء کا پہلو

بھی رکھا جاتا ہے۔ صاف اور مفصل بیان نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیشگوئیوں
میں خدا تعالےٰ کی طرف سے انسانوں کا امتحان منظور ہوتا ہے۔ اس
لئے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پیشگوئی اس
قسم کی مبہم ہے کہ اس میں وقت اور نام سب باتیں بحیثیت مجموعی
بیان نہیں کی گئیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ
"اگر خدا تعالےٰ کو امتحان منظور نہ ہوتا ...... تو پھر اس
طرح بیان کرنا چاہیئے تھا۔ کہ اے موسیٰ میں تیرے بعد
بائیسویں صدی میں ملک عرب میں بنی اسمٰعیل سے ایک نبی
پیدا کروں گا۔ جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو گا۔ اور ان
کے باپ کا نام عبد اللہ اور دادا کا نام عبد المطلب اور
والدہ کا نام آمنہ ہو گا۔ اور وہ مکہ شہر میں پیدا ہو گا"
اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس عبارت میں مطلق
صدی کا ذکر نہ کرنے کو پیشگوئیوں کا اصول بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ
وقت۔ ملک۔ نام۔ باپ دادا کے نام شہر کے نام کو جمع کرنا
پیشگوئی کے اصول کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ مہدی کے متعلق
زیر بحث حدیث میں صرف وقت کا ذکر موجود ہے۔ کہ وہ ۱۲۴۰
سال گذر جانے پر بھیجا جائے گا۔ اس سے زیادہ اس حدیث میں کسی
اور امر کا ذکر موجود نہیں۔ اور مسیح موعود کا چودھویں صدی میں ظہور
حضرت مرزا صاحب قرآن و حدیث سے ثابت قرار دے چکے ہیں۔
پس مطلق صدی کے ذکر کو وہ پیشگوئیوں کے اصول کے خلاف
کیسے قرار دے سکتے تھے۔

امر سوم :- حافظ صاحب فرض کے طور پر اس روایت کو حدیث تسلیم کر کے ہماری تشریح کے مطابق ۱۲۵۰ھ میں امام مہدی کا مبعوث ہونا قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت اقدس کی آمد کو ۶۰ سال لیٹ ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے حدیث یبعث اللّٰہ المھدی کے بیان کردہ ۱۲۴۰ میں دس مدنی سال ملا کر مہدی کی پیدائش کا سن ۱۲۵۰ قرار دیا تھا۔ نہ کہ ظہور کا مگر حافظ صاحب ۱۲۴۰ھ ہی مراد لے کر حضرت اقدس کے ۶۰ سال لیٹ آنے کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کے ظاہری الفاظ صرف یہ بتاتے ہیں۔ ۱۲۴۰ سال گذر جانے پر مہدی کو مبعوث ہونا چاہیئے۔ گویا اس سے پہلے وہ مبعوث نہیں ہو سکتا۔ یہ معنی نہیں کہ ٹھیک ۱۲۴۰ سال پر اسے مبعوث ہو جانا چاہیئے ؛

پس یبعث کا مفہوم اگر ظہور ہی لیا جائے۔ تب بھی یہ حدیث اپنے مضمون میں واقعات کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس کا ظہور یا دعوے ۱۲۴۰ سال گذر جانے پر ہی ہوا ہے۔ اس سے پہلے بہر حال نہیں ہوا۔

حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ ٹھیک بارہ سو چالیسویں سال پر ہی امام مہدی مبعوث ہوگا۔ بلکہ اس حدیث میں زمانہ بعثت کی صرف پہلی حد بیان کر دی گئی ہے۔ جس کے گذر جانے پر مہدی کو کسی وقت ظاہر ہونا چاہیئے۔ اور یہ حد گذر جانے پر ہی حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ کیا ہے۔

ہر صدی کے سر پر مجدد بھیجا جانے والی حدیث کو اس حدیث کے سامنے رکھیں تو ۶۰ سال لیٹ آنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ امام مہدی بھی مجدد ہے۔ اور اس بنا پر بموجب حدیث اسے صدی کے سر پر ہی آنا چاہیئے تھا۔ اس لئے مجددین کی بعثت کی حدیث کے مطابق مہدی کے ظہور کا زمانہ ۱۲۴۰ سے لے کر ۱۳۲۵ تک استدلالاً قرار پاتا ہے۔ اور ۱۲۴۰ پہلی حد اور ۱۳۲۵ اس کی آخری حد ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے حجج الکرامہ میں مہدی کا صدی کے سر پر آنے کا ذکر فرمایا ہے۔

پھر حافظ صاحب کے اعتراض کی اصل جان یہ ہے کہ پیشگوئی میں حضرت مرزا صاحب کے بیان کردہ اصل کے ماتحت ابہام ضرور چاہیئے تھا۔ اور اس حدیث میں صدی چھوڑ کر ٹھیک ۱۲۴۰ھ کا ذکر بھی موجود ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ ہماری اوپر کی تحقیق سے ظاہر ہو چکا ہے کہ ابہام والا اصول اس جگہ بھی پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں صرف پہلی حد بیان کی گئی ہے۔ اور جب تک مجددین کی حدیث کو اس کے ساتھ ملا کر استدلال نہ کیا جائے۔ یہ ابہام دور نہیں ہو سکتا۔ پس جتنا ابہام پیشگوئی میں امتحان کی خاطر ہونا ضروری تھا۔ وہ اس میں بھی موجود ہے۔ کیونکہ دوسری حدیث سے استدلال کے بغیر مہدی کے ظہور کی آخری حد واضح نہیں ہوتی۔

پس دونوں پیشگوئیوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہ وقت سے لیٹ آئے ہیں۔ اور نہ وقت

سے پہلے - وھذا ھو المرام

اس سلسلہ میں ایک حدیث ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے فصل الخطاب امام محمد پارسا صفحہ ۷۶۸ کے حوالہ سے ان الفاظ میں پیش کی تھی۔

"عن ابی جعفر القمی ھذا باسناد عن علیؓ قال قال رسول اللہ ابشروا ثلاث مرات انما مثل امتی کمثل غیث لا یدری اولہ خیر ام اٰخرہ وکیف تھلک امۃ انا اولھا واثنا عشر خلیفۃ من بعدی والمسیح عیسیٰ بن مریم اٰخرھا"

ترجمہ - ابو جعفر قمی نے اپنی سند سے حضرت علی رضؓ سے روایت کی کی ہے - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو تین مرتبہ بشارت دیکر فرمایا - کہ میری امت کی مثال اس بارش کی ہے جس کی نسبت معلوم نہیں ہو سکتا - کہ اس کا اول اچھا ہے - یا آخر اور وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے - جس کی ابتداء میں میں خود ہوں اور میرے بعد بارہ خلیفے اور سب سے آخر مسیح ابن مریم ہے۔

اس حدیث سے استدلال یوں کیا گیا تھا۔

"کہ بارہ خلفاء جن کا ذکر اس حدیث میں ہے - وہ ہیں جن کو دوسری حدیث میں مجدد کا نام دیا گیا اور وہ دوسری صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی تک آتے رہے - ان کے بعد بموجب حدیث نبوی چودھویں

صدی کے سر پر مسیح موعود کا آنا ثابت ہے - جس کی شان رسول کریم صلعم نے یہ بیان کی ہے کہ وہ امت ہلاک نہیں ہو سکتی جس کے اول میں میں ہوں - اور سب سے آخر میں مسیح موعود" (پیغام صلح ۷ مئی صفحہ ۵۸ء)

اس پر تنقید کرتے ہوئے حافظ صاحب اسے شیعوں کی حدیث قرار دیتے ہیں - اور لکھتے ہیں کہ شیعہ نقطۂ نگاہ سے اس حدیث کا وہ مطلب نہیں جو ایڈیٹر صاحب پیغام صلح لے رہے ہیں۔

"شیعہ حضرات صد سالہ مجدد سے ناآشنا ہیں - ان کے ہاں بارہ امام ہیں - جن کو وہ امام معصوم قرار دیتے ہیں - ان بارہ اماموں سے پہلے مولا علی رضؓ اور آخری امام حسن عسکری کے صاحبزادے محمد مہدی مولود شعبان ۲۵۲ھ ہیں جو امام غائب کے نام سے مشہور رہیں اور قیامت کے قریب ظہور فرمائیں گے۔

کہیے یہ نقطۂ نگاہ آپ کو منظور ہے؟ شیعہ نقطۂ نگاہ سے بارھویں امام مہدی ہیں - اور ان کے بعد مسیح ابن مریمؑ - نتیجہ صاف ہے - کہ امام مہدی اور مسیح موعود ایک نہیں - بلکہ دو شخصیتیں ہیں"

گویا حافظ صاحب کے اعتراض کا ماحصل یہ ہے - کہ جب یہ حدیث شیعوں کی ہے - تو اس کا مفہوم بھی وہی ہوگا - جو شیعہ حضرات لیتے ہیں - لہٰذا ہمیں اس حدیث سے اہل السنت کے طریق کے مطابق استدلال کا حق نہیں۔

الجواب :- چونکہ ہمارے نزدیک اس حدیث سے ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کا استدلال درست ہے - اس لئے اس حدیث

کے بارہ میں بھی حافظ صاحب کے اعتراض کا جواب ہم عرض کر دیتے
ہیں سو واضح ہو یہ حدیث صرف شیعوں کے طریق کے مطابق ہی
مروی نہیں بلکہ ہمارے اپنے مسلمہ محدثین کے طریق سے بھی اس
کے اہم حصے جن سے ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے استدلال کیا ہے
ضرور مروی ہیں۔ چنانچہ اس کا ایک اہم حصہ انما مثل
امتی کمثل غیث لا یدری اولہ خیر ام آخرہ
اہل سنت کی مسلمہ حدیث ہے۔ (ترمذی جلد ۲ ابواب الامثال)
اور دوسرا ضروری حصہ جو محل استدلال ہے۔ اثنا
عشر خلیفہ من بعدی ہے یہ سمرہ بن جندب کی روایت
سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان الفاظ میں موجود ہے۔ کہ
لَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا اِلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَةً
کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب مناقب قریش)
اور تیسرا اہم حصہ کَیْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا فِیْ
اَوَّلِهَا وَالْمَسِیْحُ فِیْ اٰخِرِهَا۔ اہل سنت کی مشہور
حدیث ہے۔ (کنز العمال جلد ۷ کتاب القیامۃ)
پس بخاری و مسلم کی حدیث میں جن بارہ خلیفوں کا ذکر ہے اس
سے مراد اہل السنت کے طریق پر بارہ صدیوں کے مجددین ہی ہو سکتے
ہیں۔ ورنہ حافظ صاحب کے نزدیک بھی بخاری و مسلم کی اس حدیث
میں بارہ مجددین کے علاوہ کوئی اور بارہ خلفاء مراد نہیں ہو سکتے
کیونکہ شیعوں کے بارہ خلفا تو ان کے نزدیک بھی اس حدیث میں
مراد نہیں۔

پس جب سنی اور شیعہ دونوں کی روائتیں اپنے لفظوں میں
قریباً متفق ہیں تو ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کا زیر بحث روایت
سے اہل السنت کے طریق پر استدلال بھی درست ثابت ہوا۔
کہ اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آخری خلیفہ یعنی مسیح
موعود کا ظہور چودھویں صدی کے سر پر ہو۔
حافظ صاحب کی یہ بات بھی درست نہیں کہ شیعہ مجددین کی
حدیث سے نا آشنا ہیں۔ کیونکہ مجددین کی بعثت کی حدیث
ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔
ہم نے اپنے رسالہ میں بعض بزرگوں کے اقوال بھی اس بات
کے ثبوت میں پیش کئے تھے۔ کہ امام مہدی چودھویں صدی کے سر پر
ظاہر ہوگا۔
حافظ محمد ابراہیم صاحب اپنے جواب میں ان اقوال کے متعلق
لکھتے ہیں۔
"اس کے بعد قادیانی مجیب نے بعض علما کی طرف یہ
مضمون منسوب کیا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل تھے
کہ ظہور مہدی چودھویں صدی میں ہوگا۔ پھر قاضی جی لکھتے
ہیں کہ ان کو بھی جھوٹا کہو۔ جواباً گذارش ہے۔ کہ ان
علماء نے بعض وجوہ سے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا
ہم برملا کہتے ہیں کہ ان کا خیال غلط نکلا۔ لیکن ہم ان کو
جھوٹا اس لئے نہیں سمجھتے کہ انھوں نے مرزا صاحب کی طرح
اس مضمون کو قرآن و حدیث کی طرف منسوب نہیں کیا

تھا۔ بلکہ محض اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔

گویا حافظ صاحب کے نزدیک حضرت مرزا صاحب نے تو معاذ اللہ اس لئے جھوٹ بولا کہ انھوں نے قرآن و حدیث کا حوالہ دیا اور یہ بزرگ اس لئے ان کے نزدیک جھوٹے نہیں۔ کہ انھوں نے محض اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ انھیں وہ غلط گو تو کہتے ہیں مگر جھوٹا نہیں کہتے۔ مگر حافظ صاحب اس جگہ ایک بات سے چوک گئے ہیں۔ انھوں نے غور نہیں فرمایا کہ مسیح موعود کے چودھویں صدی میں ظہور کے متعلق جو خیال ان بزرگ علماء نے پیش کیا ہے۔ وہ ایک امر غیبی پر مشتمل ہے۔ اور یہ مسلمہ بزرگ کسی امر غیبی کا ذکر یا تو کسی مکاشفہ کی بناء پر کر سکتے تھے یا قرآن و حدیث سے استنباط کی بناء پر ایسے بزرگ ایک امر غیبی کے متعلق از خود کوئی خیال گھڑ لینے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایسا کرنا افتراء ہے۔ جو عام جھوٹ سے بھی بدتر ہے۔

چنانچہ حافظ صاحب کے مسلمہ بزرگ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامہ میں جس کے حوالہ سے ان کا قول ہم نے پہلے رسالہ میں پیش کیا تھا۔ حدیث نبوی سے ہی استنباط فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

"تیز وارد شدہ کہ ظہور مہدی بر سر مائۃ باشد"
(حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴)

کہ وارد ہوا ہے کہ مہدی کا ظہور صدی کے سر پر ہوگا۔ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ نواب صاحب کے مد نظر اس جگہ

ہر صدی کے سر پر مجدّد کے بھیجا جانے کی پیشگوئی پر مشتمل حدیث ہے۔ اور اس حدیث سے استنباط کر کے ہی نواب صاحب یہ فرما رہے ہیں۔

"شائد چودھویں صدی کے سر پر اس کے ظہور کا اتفاق ہو"
(حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۵)

پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو چراغ دین کے الہامی نام سے بلحاظ ابجد تفہیم ہوئی۔ کہ ۱۲۶۸ھ کے بعد مہدی کا ظہور مقدّر قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھو حجج الکرامہ)

اور ایک دوسرے بزرگ نے حدیث کی روشنی میں ہی یہ لکھا ہے خود امر غیبیہ کے گھڑنے پر جرأت نہیں کی ہے

پیچھے اک ہزار دے گذرے ترے سو سال
عیسیٰ ظاہر ہوسیا کرسی عدل کمال

کہ مسیح موعود تیرھویں صدی گذر جانے پر ظاہر ہوگا۔ پھر ہم نے امام علی القاری کا قول حدیث الآیات بعد المائتین کی تشریح میں پیش کیا تھا کہ وہ اس کا مطلب مائتین بعد الالف لے کر ۱۲۰۰ کے بعد مہدی کا وقت بتاتے ہیں۔
(دیکھو حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۲۷۱)

جس طرح ان بزرگوں پر جھوٹ کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ حالانکہ انھوں نے حدیث و مکاشفہ سے زمانہ مسیح موعود کا استنباط کیا ہے ویسے ہی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر یہ الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ نے حدیث کی طرف یہ امر منسوب کر کے

کوئی جھوٹ بولا ہے۔

حافظ صاحب محض ضد کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب پر جھوٹ کا الزام لگا رہے ہیں۔ حالانکہ اگر حضرت مرزا صاحب کو اس بارہ میں وہ جھوٹا قرار دیں تو ان کے مسلمہ بزرگ بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتے۔

ابجد کے حساب سے استدلال

علماء اسلام نے قرآن مجید کی وحی کے بعض الفاظ سے اور بعض اولیائے امت نے اپنے الہامات کے الفاظ سے اعداد جمّل یعنی ابجد کے حساب سے اعداد کی قیمت نکال کر بعض پیشگوئیوں کا استنباط و استخراج کیا ہے۔ ہم نے بھی انہی کے طریق پر مسیح موعود کے متعلق ایک حدیث نبوی کے الفاظ یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر کے اعداد بحساب ابجد نکالے۔ تو وہ ۱۸۹۷ نکلے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ ۱۸۹۷ تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو پیشگوئیاں جنکا تعلق ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی اور پنڈت لیکھرام آریہ سے تھا۔ پوری ہو چکی ہیں اور ۱۸۹۷ء میں بعض عیسائیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف پادری مارٹن کلارک کے قتل کی سازش کا الزام لگایا۔ حضرت اقدس کے خلاف استغاثہ دائر ہوا۔ جس کی سماعت مسٹر ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے کی۔ مسٹر ڈگلس پر یہ ظاہر ہو گیا کہ استغاثہ سراسر جھوٹا ہے۔ چنانچہ اس نے ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس سازش کے

الزام سے بری قرار دیا۔ اس کے برعکس بعض عیسائیوں کی سازش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ثابت ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کے الہامی وعدہ کے ماتحت مخالفین کے شر سے محفوظ رکھا۔ سو یہ استغاثہ اور اسمیں آپ کی براءت ۱۸۹۷ء میں وقوع میں آئی۔ اس لحاظ سے بھی ۱۸۹۷ء کو سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے اس مقدمہ کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف کتاب البریہ میں درج فرمائی ہے۔ من شاء فلیطالع۔ ثم اس حدیث سے ابجدی حساب سے ۱۸۹۷ء کا عدد مسیح موعود علیہ السلام کے چودھویں صدی میں ظہور پر دال ہے۔ کیونکہ ۱۸۹۷ء چودھوی صدی ہجری میں واقع ہے۔

حافظ صاحب نے حدیث یکسر الصلیب کے ظاہری معانی سے ہمارے اس استدلال کا کہ مسیح موعود علیہ السلام کو صلیبی غلبہ کے وقت ظاہر ہونا چاہیئے۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمارا یہ استدلال اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور ثابت کر رہا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کو چودھویں صدی میں صلیبی غلبہ کے وقت ظاہر ہونا چاہیئے۔ حافظ صاحب ہمارے اس استدلال پر تو بالکل خاموش ہیں۔ البتہ انھوں نے ہمارے اس وجدانی اور ذوقی استنباط پر جو ابجد کے حساب سے کیا گیا تھا بطور تنقید دو باتیں لکھی ہیں۔

اول: یہ کہ کیا صحابہ اور علمائے سلف اور مجددین امت نے یہ طرز استدلال اختیار فرمایا ہے۔

دوم:۔ یہ لکھا ہے کہ

اگر یہ اعداد بھی دلائل کا درجہ رکھتے ہیں۔ تو "غلام احمد
قادیانی ہرگز مسیح موعود نہیں" کے اعداد پورے ۱۸۹۱
نکلتے ہیں اور مرزا صاحب نے ٹھیک ۱۸۹۱ء میں مسیح
موعود ہونے کا دعوے کیا تھا۔ کی بنا پر مرزا صاحب کو
ان کے دعویٰ میں جھوٹا قرار دیا جائے۔

امر اول کے جواب میں عرض ہے کہ بے شک بعض صحابہ اور بعض
علمائے سلف اور بعض مجددین نے خدا تعالےٰ کی وحی سے یا
اپنے مکاشفہ کے الہامی الفاظ سے بلحاظ ابجد اعداد نکال کر بعض
پیشگوئیوں کا استنباط کیا ہے۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶ میں
سورہ بقرہ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر
صحابی کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے حٰمٓعسق سے معاویہ
کے واقعہ کی پیشگوئی نکالی ہے۔

پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے جو اپنے
زمانہ کے مجدد تھے مہدی کے متعلق اپنے الہام چراغ دین نام سے
۱۲۶۸ اعداد نکال کر اس کے ظہور کے لئے پیشگوئی بیان فرمائی ہے
علاوہ ازیں تفسیر قنوی علی البیضاوی جلد اول صفحہ ۱۶۵
مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔

"علامہ جرنی نے کہا ہے کہ بعض ائمہ نے الم غلبت
الروم کے حروف سے ابجدی حساب سے ۵۸۳ھ
میں فتح بیت المقدس کی پیشگوئی نکالی ہے۔ چنانچہ اسیطرح

وقوع میں آیا۔ علامہ سہیلی نے کہا ہے۔ کہ قرآن کی سورتوں کی ابتدا میں
جو حروف مقطعات آئے ہیں۔ ان میں سے جو مکرر آئے ہیں۔ ان
کو حذف کر دیا جائے۔ تو بقیہ حروف کا ابجد کے حساب سے
جو عدد نکلتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے۔ کہ اتنی مدت امتّ
محمدیہ باقی رہے گی۔

اس پر مصنف قنوی کہتا ہے کہ زیادہ مناسب یہ ہے
کہ یہ کہا جائے۔ کہ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
ظہور کے بعد دنیا کے باقی رہنے کی مدت کی طرف اشارہ ہے
(ترجمہ از عربی) تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۱ میں ہے

بعض علما نے حروف مقطعات کے معانی بیان کئے ہیں
اور منجملہ دیگر معانی کے ابوالعالیہ وغیرہ مفسرین نے ایک
یہ معنی بھی کئے ہیں۔ کہ ان میں حساب جمل کے اعداد کے لحاظ
سے بعض اقوام کے بقا اور بعض کی تباہی کی مدت کی پیشگوئیاں
بیان کی گئی ہیں۔

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رض۔ ابوالعالیہ۔ علامہ
قنوی اور سہیلی جیسے ائمہ مفسرین نے حساب جمل کے ذریعہ
الہامات سے پیشگوئیاں اخذ کرنے کا طریق اختیار کیا ہے۔

پس ہم نے ایک صحیح حدیث نبوی کے الفاظ سے (جو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک وحی خفی ہے) بحساب ابجد ۱۸۹۷

نکال کر جو دو پیشگوئیاں استنباط کیں۔ اور جو ٹھیک ۱۸۹۷ء تک
دو عظیم الشان نشانوں کے ذریعہ پوری بھی ہو چکی ہیں۔ اس
کے استنباط میں ان بزرگان ملت اور علمائے سلف کا ہی
تتبع کیا ہے۔ کوئی نئی راہ اختیار نہیں کی

امر دوم امر دوم کے متعلق عرض ہے۔ کہ بعض صحابہ اور علمائے
سلف اور مجددین نے یہ طریق صرف وحی الٰہی اور
الہام کے متعلق ہی اختیار کیا ہے۔ اپنے خود ساختہ الفاظ سے
کوئی پیشگوئی نہیں گھڑی انھی کی طرح ہم نے بھی حدیث نبوی کے
الفاظ سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی خفی ہے۔
بحساب ابجد پیشگوئی اخذ کی ہے۔ نہ اپنی کسی خود ساختہ عبارت
سے۔ لیکن حافظ محمد ابراہیم صاحب نے "غلام احمد قادیانی ہرگز
مسیح موعود نہیں" کے خود ساختہ فقرہ سے جو نتیجہ نکالا ہے۔
اسمیں سراسر ان بزرگان دین کے طریق کے خلاف راہ اختیار
کی ہے۔ لہٰذا اپنے ایک خود ساختہ فقرہ سے ان کا ایسا نتیجہ
نکالنا محض ایک ڈھکوسلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ کسی
وحی الٰہی یا الہام الٰہی یا حدیث نبوی سے استنباط پر مشتمل نہیں

الزام دوم حضرت اقدس نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴ پر
قرآن شریف کے رو سے آخری زمانہ میں عیسیٰ
پرستی کی شامت سے زمین و آسمان میں طرح طرح کے خوفناک

حوادث کے ظاہر ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔
حافظ صاحب نے قرآن مجید میں اس امر کے ذکر کا حوالہ
دریافت کیا۔ ہم نے جواب میں وہ آیت پیش کر دی جس کی
طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا
تھا۔ یہ آیت سورۃ مریم رکوع ۶ میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا
إِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ
وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا
سورہ مریم مسیح کی پیدائش کے واقعات اور عیسائیوں کے
غلط عقائد کی تردید میں نازل ہوئی ہے۔ اور حضرت اقدس کے
نزدیک اس آیت کا عیسائیوں ہی سے خاص تعلق ہے۔
عیسائیوں سے اس آیت کا جو تعلق ہے۔ اس کے لحاظ سے محل
استدلال کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کے ترجمہ میں لکھا تھا
کہ انھوں نے (عیسائیوں نے) کہا کہ خدا تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے
تم لوگ ایک بھاری چیز لائے ہو۔ قریب ہے۔ کہ اس قول سے
آسمان پھٹ جائیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ کانپ کر
گر پڑیں۔ اور اس پر بطور نوٹ کے لکھا تھا۔ کہ یہ آیت بتاتی
ہے۔ کہ وہ وقت آتا ہے۔ کہ عیسائیوں کے حضرت مسیح کو خدا
کا بیٹا بنانے کی وجہ سے آسمان و زمین میں خوفناک حوادث

ظاہر ہوں گے۔ اور پہاڑوں میں زلازل آئیں گے۔

ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے اس آیت کے علاوہ سورہ کہف
کی آیت اِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا
بھی جواب میں پیش کی۔ اس آیت کا تعلق بھی عیسیٰ پرستی کی شامت
سے ہے۔ اور اس میں ان زمینی حوادث کا ذکر ہے۔ جن کا تعلق
ہمارے نزدیک آخری زمانہ سے ہے۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کا ہمارے معنوں پر یہ اعتراض ہے۔
کہ ولد کے معنے اولاد کے ہیں۔ اور یہ لفظ مذکر و مونث دونوں کے
لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور امام فخر الدین رازی نے اس آیت
کا تعلق محض عیسائیوں سے ہی قرار نہیں دیا۔ بلکہ یہود کے حضرت
عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دینے اور نصاریٰ کے مسیح کو ابن اللہ قرار
دینے اور عرب کے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے سے بتایا ہے
بلکہ بعض مفسرین کی یہ رائے بھی بتائی ہے۔ کہ یہ آیت عرب سے
مخصوص ہے۔ کیونکہ عیسائیوں کا رد سورہ کے شروع میں
گزر چکا ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ یہ امر تو حافظ صاحب پر بھی
ظاہر ہے کہ خود مفسرین میں اس آیت کی تشریح کے بارے میں
اختلاف ہے۔ بعض اس آیت کو صرف عرب سے مخصوص قرار
دیتے ہیں۔ اور دوسرے اس کا تعلق یہود اور عیسائیوں اور

اہل عرب سے مشترک مانتے ہیں۔ لہٰذا جب اسکی تفسیر میں عیسائیوں
کا ذکر بھی مفسرین نے تسلیم کر لیا۔ تو حضرت اقدس کے لئے یہ حق
ثابت ہو گیا۔ کہ اس سے عیسائیوں کے متعلق آخری زمانہ میں مسیح
کو ابن اللہ ماننے کے عقیدہ میں شدت اختیار کرنے پر اور
ان کے دنیا میں غلبہ پا جانے کے زمانہ میں اس عقیدہ کی شامت
کے اس نتیجہ کو بیان کریں۔ جو اس آیت میں آسمان و زمین کے
پھٹنے اور پہاڑوں کے گرایا جانے کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے
اگر اس آیت میں عیسائیوں کے علاوہ یہود اور مشرکین کو بھی
داخل ہی سمجھا جائے۔ تو ہمارا مقصد تو امام فخر الدین رازی
کی تفسیر سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک عیسائی
بہر حال اس آیت میں داخل ہیں۔ اور چونکہ مشرکین عرب کے
خدا کی بیٹیاں اور یہود کے عزیر کو ابن اللہ ماننے کا فتنہ ختم ہو
چکا تھا۔ اور آخری زمانہ میں حضرت مسیح کو ابن اللہ ماننے والے
رہ جاتے ہیں۔ اور وہی اس عقیدہ کو پھیلانے میں اپنی
پوری قوت صرف کرنے والے تھے۔ اور بموجب حدیث نبوی
زمین پر غلبہ پا کر چھا جانے والے تھے۔ اس لئے ان کا فتنہ
باقی تھا۔

یہود و مشرکین عرب پر تو آسمان و زمین سے عذاب نازل
ہو چکا تھا۔ اور وہ اسلام کے مقابل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں ہی شکست کھا چکے تھے۔ اس لئے اب صرف آخری
زمانہ کا عیسائیوں کی عیسیٰ پرستی کا فتنہ ہی باقی تھا۔ جس کا ذکر
قرآن مجید کی سورہ کہف رکوع ۱۱ میں یوں ہے وَتَرَكْنَا
بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي
الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ
يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا۔ کہ یاجوج ماجوج آخری زمانہ
میں ایک دوسرے پر لہروں کی طرح اٹھیں گے اور بگل بجایا جائیگا
اور ہم ان سب کو (مقابلہ) میں اکٹھا کر دیں گے۔ اور ان کافروں
پر اس دن جہنم کو پیش کریں گے۔

ہم اس آیت کا تعلق بھی دنیا کے ان عذابوں سے سمجھتے
ہیں۔ جو عذاب آخری زمانہ میں یاجوج
ماجوج پر اس دنیا کے جہنم کی صورت میں نازل ہونے والا ہے
دوسرے مفسرین کی تفسیروں کی تمام جزئیات کو صحیح ماننے
کے لئے نہ تو ہم مکلف اور نہ ہی ان کے مقلد۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ عیسائیوں
سے اس آیت کا تعلق ماننے کی صورت میں آیت میں تکاد (قریب ہے)
کا لفظ بتاتا ہے۔ کہ یہ خطرناک آسمانی اور زمینی حوادث
ظاہر نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک نحوی قاعدہ کے
لحاظ سے "کاد" فعل مقاربہ پیشگوئی کے لئے نہیں آتا

بلکہ صرف اس لئے آتا ہے کہ اپنے اسم کو خبر کے لئے ثابت کرے
وہ کہتے ہیں کہ مشہور کتاب المنجد میں لکھا ہے۔
اے قارب الفعل ولم یفعل یعنی فلاں شخص اس کام کے
قریب تو ہوا۔ لیکن کیا نہیں۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ درست
ہے۔ کہ کاد فعل مقاربہ میں سے ہے۔ مگر افسوس ہے کہ حافظ صاحب
نے المنجد کا پورا حوالہ درج نہیں کیا۔ حالانکہ اس جگہ آگے لکھا ہے
قَدْ يَأْتِيْ بِمَعْنٰى أَرَادَ مِنْهُ أَكَادُ أُخْفِيْهَا أَيْ أُرِيْدُ
کہ کبھی کاد ارادہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ
آیت اکاد اخفیہا میں ارادہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے
لہٰذا ہم اس کے مطابق کہتے ہیں کہ تکاد السمٰوٰت میں
تکاد کا لفظ بمعنی ارادہ سمجھا جائے تو اس آیت کا پیشگوئی ہونا
ظاہر ہے۔ اس صورت میں تکاد کا اسناد السمٰوٰت کی طرف
مجازی ہوگا۔ واقعات کا ظہور اسے ارادہ کے معنوں میں لینے
کا مؤید ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کے جزائر پر طرح طرح کے عذاب
آبھی چکے ہیں۔ اور آئندہ بھی آسکتے ہیں۔

حافظ صاحب يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ
يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰہ کی آیت اور کاد الفقر ان یکون
کفرا کی حدیث پیش کرکے پوچھتے ہیں۔
مرزائی دوستو! کیا اس آیت اور حدیث کا مفہوم

ان الفاظ میں بیان کرنا صحیح ہوگا۔ کہ

اول:۔ آخری زمانہ میں قرآنی آیات تلاوت کرنے والوں پر مشرک حملہ آور ہوا کریں گے۔

دوم:۔ آخری زمانہ میں فقر انسان کو کافر بنا دے گا

آپ اس کا جواب یقیناً نفی میں دیں گے"۔

اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ اس آیت و حدیث کا حکم چونکہ عام ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت کے رو سے آخری زمانہ میں بھی مشرکین کے توحید سے عداوت رکھتے ہوئے مسلمانوں پر محض ان کے خدا کو ایک ماننے کی وجہ سے حملہ کرنیکا امکان ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے قرآن خوانوں پر حملہ کرتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خیات میں ہی ستر[۷۰] قادیان قران کے شہید کئے جانے کا واقعہ حافظ صاحب کو یاد ہوگا۔ اور اب ہمارے زمانہ میں پارٹیشن کے وقت بھی آپ نے دیکھ لیا ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں پر ہندوستان اور مشرقی پنجاب میں محض ان کے مسلمان ہونے کیوجہ سے حملے کئے ہیں۔ اور ہزارہا مسلمانوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کیا ہے۔

اسی طرح حدیث نبوی **کاد الفقر ان یکون کفراً** کا نظارہ پہلے بھی دنیا عملاً دیکھتی رہی ہے۔ اور ہم نے بھی اپنے زمانہ میں یہ نظارہ دیکھا ہے۔ جبکہ کثیر التعداد مفلوک الحال

مسلمانوں کو عیسائیوں نے محض دنیا کا طمع دیکر کافر بنا لیا۔

پس اس آیت و حدیث کو پیشگوئی قرار دینے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ خصوصاً جبکہ ہم نے اس کا ظہور اس آخری زمانہ میں مشاہدہ بھی کر لیا ہے۔

پس جہاں **کَادَ یَکَادُ** کا فعل آئے وہاں ضروری نہیں کہ فعل بالکل وقوع میں نہ آئے۔ بے شک مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خدا کی اولاد قرار دینے کا قول ایسا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ کہ اگر خدا کا حلم نہ ہوتا تو وہ اس کے غضب کو کھینچ لانے والا ہے۔ مگر جب قرآن مجید میں دوسری جگہ یہ بھی مذکور ہے۔ کہ آخری زمانہ میں خدا کا غضب زمین پر بھڑکے گا۔ اور اہل زمین پر عذاب الہٰی نازل ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس دوسری آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت زیر بحث کو بھی ایک پیشگوئی سمجھا جائے۔ وہ دوسری آیت یوں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا** (سورہ بنی اسرائیل ۶۴) کہ قیامت سے پہلے ہر بستی کو یا تو ہم بالکل تباہ کر دینگے۔ یا عذاب شدید میں مبتلا کریں گے۔ یہ (خدائی فیصلہ) کتاب میں لکھدیا گیا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ آخری زمانہ میں قبل از قیامت بعض

بستیاں تو بالکل تباہ اور ملیامیٹ کردی جائیں گی۔ اور بعض
بالکل ملیامیٹ تو نہیں ہوں گی۔ البتہ عذاب شدید میں مبتلا ہونگی۔
پھر ایک دوسری آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان
فرمایا ہے۔ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا
فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا
تَدْمِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ع ۲)
کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اس کے ناز و
نعمت میں پلنے والوں کو ہم (مامورین) کے ذریعہ حکم دیتے ہیں (کہ وہ
نیکی کریں) تو وہ اس بستی میں (اس حکم کی) نافرمانی کرتے ہیں۔ تو
خدا تعالیٰ کا قول اس بستی کے بارہ میں سچا ہو جاتا ہے۔ (یعنی
اس بستی پر عذاب کا فرد جرم لگ جاتا ہے) تو ہم اسے اچھی
طرح تباہ کر دیتے ہیں۔

پس جب آخری زمانہ میں خدا کا حلم غضب میں تبدیل ہو
جانے والا تھا۔ تو حضرت اقدس نے کیا جرم کیا۔ اگر ان آیات کی
روشنی میں آیت تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق
الارض وتخر الجبال ھدًا سے یہ پیشگوئی اخذ فرمائی کہ
آخری زمانہ میں عیسیٰ پرستی کی شامت کیوجہ سے زمین و آسمان
اور پہاڑوں میں خوفناک حوادث ظاہر ہوں گے۔ آخر قرآن
مجید کا سمجھنا صرف پہلے مفسرین پر ہی موقوف نہیں۔ جن

لوگوں کو خدا تعالیٰ مامور کرتا ہے۔ اور اپنے دستِ قدرت سے ان کی
تطہیر کرتا ہے۔ انھیں قرآن مجید کا علم خاص بھی عطا فرماتا ہے۔ اور
انھیں ان قرآنی اسرار سے بھی آگاہی بخشتا ہے جو دوسروں کی نگاہ سے
مخفی رہے ہوں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

کہ تمام علوم قرآن مجید میں موجود ہیں۔ لیکن لوگوں کے فہم ان کے
سمجھنے سے قاصر ہیں۔ پس آئندہ زمانہ کے حوادث کا علم حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کو قرآن مجید سے دیا جانا ایک ضروری امر
تھا۔ اگر حافظ محمد ابراہیم جیسے علماء ظواہر آپ کے قرآن مجید سے ایسے استنباط
کو جھوٹ قرار دیں۔ تو ہمیں اس سے کچھ تعجب نہیں۔ کیونکہ بزرگان دین پہلے سے
فرما چکے ہیں۔

"نزدیک است کہ علمائے ظواہر مجتہدات او علی نبینا علیہ الصلوٰۃ
والسلام مخالف کتاب وسنت دانند"

کہ قریب ہے کہ ظاہری علماء مسیح موعود کی اجتہادی باتوں کو کتاب
وسنت کے خلاف قرار دیں۔ جیسے حافظ محمد ابراہیم صاحب کا حال ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

الزام سوم

تیسرا الزام حافظ صاحب نے یہ لگایا تھا۔ کہ ھذا
خلیفۃ اللہ المہدی کی صحیح حدیث بخاری میں موجود
نہیں۔ ہم نے جواباً لکھا تھا۔ کہ یہ حدیث بہر حال صحیح حدیث ہے گو بخاری

کا حوالہ دینے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سہو ہوا ہے۔ یہ حدیث
مستدرک للحاکم کی ہے اور یہ بخاری اور مسلم دونوں کی شرطوں کے
مطابق صحیح حدیث ہے۔ لہذا اسے جھوٹ قرار دینا درست نہیں سہو
کا صدور بموجب حدیث نبوی "انما انا بشر مثلکم انسی کما
تنسون" خود انبیاء سے بھی ممکن ہے۔ پھر ہم نے بعض محدثین کے متعلق بھی
ثابت کیا تھا کہ ان سے بھی حدیث کا حوالہ دینے میں اس قسم کا سہو وقوع میں
آیا ہے۔ کہ ایک حدیث کو وہ بھی صحیح بخاری ہی کے حوالہ سے پیش کرتے
ہیں۔ مگر وہ صحیح بخاری میں موجود نہیں۔ کیا حافظ صاحب ان محدثین
کو بھی اس بارہ میں جھوٹ بولنے والا قرار دیں گے۔ یا ان کی اس غلطی کو
سہو پر محمول قرار دیں گے۔ حافظ صاحب ہمارے اس جواب کو پڑھکر
جس کا خلاصہ اوپر درج کر دیا گیا ہے۔ اب بھی حضرت اقدس کو جھوٹ
بولنے کا الزام دینے پر مصر ہیں۔ اور اس اصرار کی دو وجہیں درج کرتے ہیں
وجہ اول یہ لکھتے ہیں۔ کہ مرزاجی اور ان علماء کی پوزیشن میں آپ کے
اعتقاد کے مطابق زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان علماء میں کوئی بھی
نبی اللہ۔ مجدد۔ مہدی اور مسیح موعود نہیں تھا۔ ان میں سے کسی کا
دعویٰ نہیں تھا کہ میری روح فرشتوں کی گود میں پرورش پاتی ہے
(تبلیغ رسالت جلد ص۹۵) اور ان میں کسی کی یہ پوزیشن نہیں
تھی۔ کہ روح القدس کی قدوسیت ہر دم اور ہر لحظہ بلا فصل اس
کے تمام قویٰ میں کام کرتی ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۷۱)

اور ان میں سے کسی کو بھی یہ الہام نہ ہوا تھا۔ **وما ینطق عن الھویٰ
ان ھو الا وحی یوحی** (اربعین ص۳۱) پس مامور اور غیر مامور کا
مقابلہ کیسا؟
اس کے جواب میں واضح ہو کہ سہو کا صدور نبی اور غیر نبی دونو
سے ممکن ہے۔ یہ بات درست نہیں کہ غیر مامور سے تو سہو کا صدور ہو
سکتا ہے لیکن مامور سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خود ہمارے آقا و مولا
سید الرسل خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ جس طرح تم بھول جاتے ہو
مَیں بھی بھول جاتا ہوں۔ اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
اپنی بھول کو بشریت کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ سید الانبیاءؑ
ہیں اور آپ کے متعلق قرآن مجید میں **وما ینطق عن الھویٰ ان
ھو الا وحی یوحی** کی وحی بھی نازل ہو چکی تھی۔ اور حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی آئینہ کمالات اسلام میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے۔ کہ روح القدس آپ سے
کبھی علیحدہ نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود سہو و نسیان کے بعض
واقعات کا آپ سے صدور ہوا جن کا ذکر احادیث نبویہ میں
مذکور ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ایک حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ جس میں آپ نے فرمایا:۔

"اُس ذات کی مجھ کو قسم ہے۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
کہ جو مجھ سے صادر ہوتا ہے۔ خواہ قول ہو یا فعل وہ سب
خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے"

اور اس کے بارہ میں ایک اعتراض کا یوں جواب دیتے ہیں کہ
"اگر کہا جائے کہ انھیں احادیث میں بعض امور میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی اجتہادی غلطی کا بھی ذکر ہے۔ اگر کل
قول و فعل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وحی سے تھا۔ تو
پھر وہ غلطی کیوں ہوئی۔ گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
اسپر قائم نہیں رکھے گئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اجتہادی غلطی
بھی وحی کی روشنی سے دور نہیں تھی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم خدا تعالےٰ کے قبضہ سے ایک دم جدا نہیں ہوتے تھے۔ پس
اجتہادی غلطی کی ایسی ہی مثل ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو نماز میں چند دفعہ سہو واقع ہوا۔ تا اس سے دین کے
مسائل پیدا ہوں سو اسی طرح بعض اوقات اجتہادی غلطی
ہوئی تا اس سے بھی تکمیل دین ہو۔ اور بعض باریک مسائل
اس کے ذریعہ سے پیدا ہوں اور وہ سہو بشریت بھی تمام لوگوں
کی طرح سہو نہ تھا۔ بلکہ دراصل ہمرنگ وحی تھا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ
کی طرف سے ایک خاص تصرف تھا جو نبی کے وجود پر حاوی ہو کر
اسکو کبھی ایسی طرف مائل کر دیتا تھا جس میں خدا تعالےٰ کے بہت

مصالح تھے۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۱۴، ۱۱۵)

پھر آگے چل کر صفحہ ۱۱۵ میں فرماتے ہیں۔

"یہی حال انبیاء کی اجتہادی غلطی کا ہے۔ کہ روح القدس
تو کبھی ان سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ مگر بعض اوقات خدا تعالےٰ
بعض مصالح کے لئے انبیاء کے فہم اور ادراک کو اپنے قبضہ میں
لے لیتا ہے۔ تب کوئی قول یا فعل سہو یا غلطی کی شکل پر ان سے
صادر ہوتا ہے۔ اور وہ حکمت جو ارادہ کی گئی ہے۔ ظاہر ہو جاتی
ہے تب پھر وحی کا دریا زور سے چلنے لگتا ہے۔ اور غلطی کو
درمیان سے اٹھا دیا جاتا ہے۔ گویا اس کا کبھی وجود نہ تھا"

پھر صفحہ ۱۱۷ پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ
صفحہ ۴۲۰ کے حوالہ کا ماحصل یہ لکھتے ہیں۔

"کہ ملائک وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے دائمی
رفیق اور قرین ہیں"

انبیاء سے سہو و نسیان یا اجتہادی غلطی کے صدور میں جو
مصالح ہیں ان میں سے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس طرح لوگوں کو
شرک سے بچایا جائے۔ اور انبیا کی بشریت ظاہر ہوتی رہے۔ تا لوگ
انھیں کسی رنگ میں بھی خدا کا شریک نہ ٹھہرا سکیں۔

پس جب ہر وقت روح القدس کی تائید و رفاقت رکھتے ہوئے
بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انسی کما تنسون

میں بھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم لوگ بھول جاتے ہو۔ تو ایک مجدد
اور مہدی اور مسیح موعود سے اگر بشریت کے تقاضا کے ماتحت کسی حدیث
کا حوالہ دینے میں اس طرح سہو واقع ہو جائے۔ جس طرح بعض محدثین
سے سہو ہوا۔ تو اسے جھوٹ قرار دینے پر اصرار ہرگز جائز نہیں جو
تراز و بشریت کے لحاظ سے حافظ صاحب محدثین امت کے لئے
تجویز کرتے ہیں وہی مجددین کے لئے تجویز کرنا ہو گا۔ کیونکہ خود آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء فرماتے ہیں۔ انسی کما
تنسون۔ کہ میں اس طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو

دوسری وجہ حافظ صاحب نے یہ لکھی ہے:۔

"کسی عالم کا کسی حدیث کے متعلق بخاری کا محض حوالہ دیدینا
اور بات ہے۔ اور مرزا صاحب کی طرح اس پر مسئلہ کی بنیاد
رکھنا اور بات ہے۔ مرزا جی نے صرف بخاری کا حوالہ ہی نہیں
دیا۔ بلکہ بخاری کو اپنی دلیل کی بنیاد قرار دیکر دوسری
حدیثوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے"

اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ بے شک ھٰذا خلیفۃ اللہ المہدی
کی حدیث کو حضرت اقدس نے صحیح بخاری کی بنیاد پر ایک دوسری
حدیث کے مقابل میں زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ مگر یہ بات آپ سے
محض اس سہو کے نتیجہ میں سرزد ہوئی ہے۔ کہ آپ اس حدیث کو
اپنے خیال میں صحیح بخاری کی حدیث سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ حدیث دراصل

مستدرک للحاکم کی تھی۔ اور آپ سے صرف حوالہ دینے میں ہی سہو
وقوع میں آیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی اس دلیل کی مضبوطی
میں جس کے لئے آپ نے یہ حدیث پیش کی ہے پھر بھی کوئی فرق نہیں آیا۔
کیونکہ یہ حدیث ایسی اعلیٰ پایہ کی ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونو
کی شرطِ صحت پر پوری اترتی ہے۔

ملاحظہ ہو ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۹۹ حاشیہ مطبوعہ مصر
اس جگہ اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ صحیح علیٰ شرط الشیخین
لہٰذا یہ اپنے پایہ اور مرتبہ میں صحت کے اعتبار سے ہرگز بخاری سے کم
درجہ کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے درجہ پر ہے۔ کیونکہ
یہ بخاری اور مسلم دونوں کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے۔

پس اس حدیث کی بنیاد پر حضرت اقدس نے منشی عطا محمد صاحب
کو جو جواب دیا ہے۔ باوجود حوالہ میں سہو کے اس کی قوت میں کوئی کمی
نہیں آئی۔

مستدرک للحاکم کا نام مستدرک رکھا ہی اس لئے گیا ہے کہ
بخاری و مسلم کے پایہ کی احادیث جو ان محدثین سے بوجہ تقاضائے بشریت
درج ہونے سے رہ گئی ہیں۔ اس کتاب میں جمع کی جائیں

ہم نے ابن ماجہ کا محولہ بالا حوالہ بھی اپنے پہلے رسالہ میں پیش کر دیا
تھا۔ جس میں حاکم کی حدیث ھٰذا خلیفۃ اللہ المہدی کو بخاری اور
مسلم دونوں کی شرط پر صحیح قرار دیا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ حافظ
صاحب ہیں نہ مانوں کی رٹ لگا کر اب بھی حضرت اقدس پر جھوٹ

عہ خدائی تصرف دیکھیں کہ حافظ صاحب جوابی رسالہ ص ۶۳ پر ایک عبارت کو ایام الصلح حاشیہ ص ۱۴۲ کی ہے پیغام صلح حاشیہ ص ۱۹۵ کی قرار دیتے ہیں مگر ہم اسے ان کے جھوٹ پر نہیں بلکہ سہو پر ہی محمول کرتے ہیں۔ البتہ انکی دلیل اس سے بالکل گاؤ خورد ہو گئی ہے کیونکہ ایام الصلح ۱۸۹۹ء یعنی تبدیلی سے پہلے کی کتاب ہے اور ان کے استدلال کیلئے حجت نہیں۔

ہم نے لکھا تھا بھول چوک ایسا امر نہیں جو کسی نبی کی نبوّت میں خارج ہو۔ اس پر حافظ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

"ہمارا ایمان ہے۔ کہ نبی کسی ایسی سہو اور بھول چوک پر قائم نہیں رہ سکتا جس کی وجہ سے اس کی دیانت مشتبہ ہو جائے۔ اور مخالف اس پر جھوٹ کا الزام عائد کر سکے۔ اب اگر آپ کو اس عقیدہ میں ہم سے اختلاف ہے۔ تو سلسلہ انبیاء سے کوئی ایک مثال پیش فرمائیے۔ ورنہ ہمارا اعتراض صحیح تسلیم کیجئے۔"

اس کے جواب میں واضح ہو کہ حافظ صاحب کے اعتراض کے متعلق ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ محض عداوت پر مبنی ہے۔ ورنہ زیر بحث حدیث صحیح ہے۔ اور بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے حضرت اقدس سے صرف حوالہ دینے میں سہو ہوا ہے۔ لہذا ایسے سہو سے آپ کی دیانت ہرگز مشتبہ نہیں ہوتی۔ اور نہ آپ پر جھوٹ کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ جو عقیدہ حافظ صاحب نے پیش کیا ہے گو یہ عقیدہ کسی صریح نص قرآنی اور حدیثی میں تو ہماری نظر سے نہیں گذرا البتہ انبیاء کے احترام کی خاطر اجتہاد آ اسے عمومی قاعدہ کی صورت میں ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اگر کسی نبی کا کوئی سہو ایسا بھی رہ جائے جس پر وہ آخر تک قائم رہے۔ تو پھر بھی اس کی دیانت پر کسی انصاف پسند کی طرف سے شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ انبیاء کی صداقت اپنے تائیدی نشانوں سے اور آیات بینات سے بہر حال ثابت کر دیتا ہے۔

حافظ صاحب نے ہم سے ایک مثال اس بات کی طلب کی ہے کہ نبی آخر تک سہو پر قائم رہا ہو۔ سو ہم ایسی مثال بھی پیش کر دیتے ہیں دیکھئے صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔

قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیُخْبِرَنَا بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحیٰ رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَکُمْ بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحیٰ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرًا لَّکُمْ فَالْتَمِسُوْھَا فِی التَّاسِعَۃِ وَالسَّابِعَۃِ وَالْخَامِسَۃِ (رواہ البخاری)

(مشکوٰۃ باب لیلۃ القدر)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لیلۃ القدر کے متعلق خبر دینے کے لئے باہر نکلے تو دو مسلمان جھگڑ رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں لیلۃ القدر کے متعلق خبر دینے کے لئے نکلا تھا۔ تو فلاں فلاں جھگڑ رہے تھے۔ اس پر لیلۃ القدر کا علم اٹھا دیا گیا۔ یعنی (مجھے بھول گئی) اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ امر تمہارے لئے بہتر ہو۔ (یعنی اس کا مجھے بھول جانا تمہارے لئے کسی بہتری کا حامل ہو) پس تم اسے نویں ساتویں اور پانچویں کو آخری عشرہ کی راتوں میں تلاش کرو۔

لیلۃ القدر کے متعلق اس بھول کو خدا تعالیٰ ہی دور کر سکتا تھا۔ مگر اس نے دور نہ کی اسمیں کوئی مصلحت الٰہی کام کر رہی تھی اس طرح کسی مصلحت الٰہی کے ماتحت اگر مامور من اللہ کسی بھول پر قائم رہے۔ تو یہ امر اس کی نبوت و راستبازی میں خارج نہیں ہوتا اور ایک مصلحت اس میں بشریت کا اظہار اور شرک سے بچانا بھی

ہوتی ہے۔

الزام چہارم

حافظ صاحب نے لکھا تھا۔ کہ مرزا صاحب ازالہ اوہام ص۸۱ پر لکھتے ہیں۔

صحیح مسلم میں آتا ہے۔ کہ مسیح موعود جب آسمان سے نازل ہوگا تو اس کا لباس زرد ہوگا۔ ہمارا دعوےٰ ہے۔ کہ مرزا صاحب نے جھوٹ لکھا ہے۔ صحیح مسلم میں مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کا حدیث میں ہرگز ہرگز ذکر نہیں

(اشتہار حافظ صاحب)

ہم نے اس کے جواب میں اپنے رسالہ کے ص۱۵ پر صحیح مسلم کی وہ حدیث پیش کر دی تھی جس کی بنا پر غیر احمدی علماء (حضرت مسیح) کا آسمان سے نازل ہونا مانتے ہیں۔ اور حضرت اقدس کی طرف سے غیر احمدیوں کے اس معنی کی تردید پیش کرنے کے بعد اس کے صحیح معنی بھی بیان کر دئے تھے۔ جو اسی جگہ ازالہ اوہام میں درج ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فبینما ھو کذالک اذ بعث اللّٰہُ المسیحَ ابنَ مریمَ فَینزِلُ عِندَ المنارۃِ البیضاءِ شرقی دمشقَ بَینَ مَھرُودَتین واضعاً کفّیہِ علیٰ اَجنِحَۃِ مَلَکَین

ترجمہ۔ اس اثنا میں خدا مسیح کو بھیجیگا۔ تو وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس دو زرد چادروں میں دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے نازل ہوگا۔

چونکہ فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ اس لئے غیر احمدی علماء نے صحیح مسلم کی حدیث سے مسیح کا بھی آسمان سے اترنا تسلیم کیا ہے۔

حافظ صاحب نے لکھا تھا۔ "صحیح مسلم میں مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کی حدیث ہرگز ہرگز نہیں۔" مرزا صاحب نے جھوٹ لکھا ہے۔ جب ہم نے وہ حدیث دکھا دی جس سے غیر احمدی علماء مسیح کا آسمان سے اترنا مانتے ہیں۔ اور خود حافظ صاحب بھی اس حدیث سے یہی سمجھتے ہیں کہ مسیح آسمان سے اتریگا۔ تو حافظ صاحب اعتراض میں خود پھنس گئے۔

اب وہ اپنے جواب الجواب میں اس سے نکلنے کے لئے لکھتے ہیں:

"ہم بیشک صحیح مسلم میں ایسی حدیث موجود مانتے ہیں جس کا معنی علمائے سلف اور مجددین امت کے نزدیک یہی ہے۔ کہ مسیح آسمان سے نازل ہوگا۔ اور وہ حدیث وہی ہے جو آپ نے اپنے رسالہ کے ص۱۵ پر درج کی ہے۔ اسکی تشریح بھی ہمارے نزدیک وہی ہے جو آپ نے خود تحریر فرمائی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں۔ کہ صحیح مسلم میں یہ لفظ ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ مسیح آسمان سے نازل ہوگا اور ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے صحیح مسلم کی طرف آسمان کا لفظ منسوب کر کے غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے۔"

حافظ صاحب کا پہلے اشتہار میں ان ہی کے الفاظ میں صرف یہ اعتراض تھا کہ

"مرزا صاحب ازالہ اوہام ص۸۱ پر لکھتے ہیں
"صحیح مسلم میں آتا ہے کہ مسیح موعود جب آسمان سے نازل
ہوگا تو اس کا لباس زرد ہوگا۔ ہمارا دعوے ہے کہ مرزا
صاحب نے جھوٹ لکھا ہے۔ صحیح مسلم میں مسیح کے آسمان
سے نازل ہونے کی حدیث ہرگز ہرگز نہیں۔"

ناظرین کرام خط کشیدہ الفاظ دیکھیں۔ حافظ صاحب نے اس
جگہ صرف یہی لکھا تھا۔ کہ صحیح مسلم میں مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کی
حدیث ہرگز ہرگز نہیں" ہم نے وہ حدیث دکھا دی ہے جس کے
رو سے غیر احمدی علما مسیح کا آسمان سے اترنا تسلیم کرتے ہیں۔ حافظ
صاحب نے خود بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کہ بے شک صحیح مسلم میں ایسی حدیث
بھی موجود ہے جس کے معنے علمائے سلف اور مجددین امت کے
نزدیک یہی ہیں کہ مسیح آسمان سے نازل ہوگا۔ اور حافظ صاحب خود
بھی اس حدیث کی اس تشریح کو درست سمجھتے ہیں۔ کہ مسیح آسمان سے
نازل ہوگا۔ تو ہماری طرف سے ایسی حدیث دکھلانے میں ان کا مطالبہ
پورا کرنے میں کیا کمی رہ گئی تھی۔ انھوں نے صحیح مسلم سے حضرت مسیح کے
آسمان سے نازل ہونے کی حدیث طلب کی تھی۔ ہم نے وہ حدیث پیش
کردی۔ لہٰذا اب حضرت مرزا صاحب کا یہ لکھنا جھوٹ کیسے ہوگیا
کہ صحیح مسلم میں آتا ہے کہ مسیح موعود جب آسمان سے نازل ہوگا تو اس
کا لباس زرد ہوگا۔ چونکہ حافظ صاحب خود پھنس گئے ہیں اس لئے
"چپ نشود" کی ضرب المثل پر عمل کرتے ہوئے اب وہ بقول خود بانگ
دہل (یعنی ڈھول بجا کر) اعلان کرتے ہیں۔

"کہ مرزا صاحب نے صحیح مسلم کی طرف آسمان کا لفظ منسوب
کرکے غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے۔"

گویا اب ساری بحث آسمان کا لفظ منسوب کرنے میں منحصر
ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کے متعلق حافظ صاحب کا پہلے کوئی صاف
مطالبہ نہ تھا۔ ان کا پہلا دعوے صرف یہ تھا کہ صحیح مسلم میں آسمان
سے نازل ہونے کی حدیث ہرگز ہرگز نہیں ہم نے حدیث دکھادی اور
انھوں نے تسلیم بھی کرلیا۔ کہ بیشک صحیح مسلم میں ایسی حدیث کو وہ موجود
مانتے ہیں۔ اب ان کے اس بانگ دہل اعلان کا جواب ہماری طرف
سے یہ ہے کہ حضرت اقدس نے ازالہ اوہام ص۸۱ پر ہرگز نہیں لکھا
کہ صحیح مسلم کی حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہے۔ حضور کے اصل
الفاظ یہ ہیں:-

"صحیح مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے۔ کہ
حضرت مسیح آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد
رنگ کا ہوگا۔ اس لفظ کو ظاہری لباس پر حمل کرنا
کیسا لغو خیال ہے زرد رنگ پہننے کی کوئی وجہ معلوم
نہیں ہوتی۔"

یہاں اس عبارت میں "جو یہ لفظ موجود ہے" کا تعلق زرد
لباس سے ہے۔ آپ نے اس جگہ یہ نہیں لکھا کہ حدیث میں اس جگہ
آسمان کا لفظ موجود ہے۔ ہر اردو دان سمجھ سکتا ہے کہ یہ عبارت
ایک جملہ موصولہ ہے۔ جس میں "جو یہ لفظ موجود ہے" موصول
ہے۔ اور اس کا صلہ ہے "تو ان کا لباس زرد ہوگا" اس مضمون کو

حدیث میں ایک لفظ مُمَصَّرَتَیْن سے ادا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد
کی عبارت "اس لفظ کو ظاہری لباس پر حمل کرنا کیا لغو خیال ہے۔" میں اس
لفظ کا اشارہ صاف زرد لباس کی طرف ہے۔ کیونکہ آگے لکھا ہے
"زرد رنگ پہننے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی"۔

پس اس عبارت میں آسمان کے لفظ کے موجود ہونے کا دعویٰ
ہی نہیں صرف آسمان سے نازل ہونا مذکور ہے۔ جو اس حدیث سے
خود حافظ صاحب کو بھی مسلم ہے عبارت میں صرف نازل ہونے کی
حالت میں زرد لباس کا لفظ زیر بحث لایا گیا ہے۔

اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں۔ کہ جھوٹ حضرت مرزا صاحب
نے بولا ہے۔ یا حافظ محمد ابراہیم صاحب نے ہی حضرت اقدس کی طرف
یہ بات غلط منسوب کی ہے۔ کہ آپ نے اس جگہ صحیح مسلم کی حدیث
میں آسمان کا لفظ موجود قرار دیا ہے۔ نہ کہ آسمان سے نازل ہونا
جو خود حافظ صاحب کو اس حدیث سے مسلم ہو چکا ہے

ہم نے اپنے پہلے جواب میں یہ بھی لکھا تھا۔ کہ صحیح مسلم میں ایسی
حدیث ضرور موجود ہے۔ جس کے معنی علماء نے یہ کئے ہیں کہ مسیح
آسمان سے نازل ہوگا۔ اور حضرت اقدس نے ازالہ اوہام کے
حاشیہ میں انہی لوگوں کے معنے درج فرمائے ہیں۔ اس پر حافظ صاحب
لکھتے ہیں۔

مرزا جی کے اصل الفاظ ایک بار پھر دیکھئے فیصلہ
کیجئے کہ مرزا جی علماء کے معنی بیان کر رہے ہیں۔ یا
صحیح مسلم کے الفاظ کا حوالہ دے رہے ہیں۔

میں اس کے جواب میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ناظرین کرام ذرا
حضرت اقدس کی ساری عبارت کو مع سیاق و سباق ملاحظہ کریں۔ جسے
ہم نے اپنے پہلے رسالہ میں بھی پیش کیا ہے۔ اور دیکھیں کہ حافظ صاحب
اب خود الزام سے بچنے کی محض ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ سیاق کے
الفاظ یہ ہیں۔

"ہمارے مسلمان بھائی بھی اس گرداب میں پڑے ہوئے ہیں
اور حضرت مسیح کی نسبت یہودیوں کی طرح ان کے دلوں
میں یہ خیال جما ہوا ہے۔ کہ ہم انہیں سچ مچ آسمان سے
اترتا دیکھیں گے۔ اور یہ عجوبہ بچشم خود دیکھیں گے
کہ حضرت مسیح زرد پوشاک پہنے ہوئے آسمان سے اترتے
چلے آتے ہیں۔ ...... ہماری قوم کے لوگ استعارات
کو حقیقت پر محمول کر کے سخت پیچوں میں پھنس گئے ہیں
اور ان مشکلات کا سامنا انہیں پیش آگیا ہے۔ کہ اب
ان سے آسانی سے نکلنا ان کے لئے سخت دشوار ہے۔ اور
جو نکلنے کی راہیں ہیں انہیں وہ قبول نہیں کرتے۔ مثلاً صحیح
مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے۔ کہ حضرت مسیح
آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا۔
اس لفظ کو ظاہر پر محمول کرنا کیا لغو خیال ہے۔ زرد رنگ
پہننے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی"۔ (ازالہ اوہام ص۸۱)

سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ زرد پوشاک پہنے مسیح آسمان سے
اترنے کا عقیدہ حضرت اقدس غیر احمدیوں کا بیان کر رہے ہیں۔ اور اسا

کو ان کی یوں غلطی قرار دے رہے ہیں۔ کہ ہماری قوم کے یہ لوگ استعارات
کو حقیقت پر محمول کر کے سخت پیچوں میں پھنس گئے ہیں۔

پس حضرت اقدس جب اس امر کے قائل ہی نہیں۔ کہ حضرت
مسیح سچ مچ اس طرح آسمان سے اتریں گے۔ کہ لوگ انھیں بچشم
خود اترتے دیکھیں گے۔ تو اس کے بعد صحیح مسلم کی طرف وہ کیسے
منسوب کر سکتے تھے۔ کہ اس میں آسمان کا لفظ موجود ہے۔ ہاں اس
حدیث میں مسیح کے دو فرشتوں کے پروں پر دو زرد چادروں میں
اترنے کا ذکر ضرور موجود ہے۔ جس سے غیر احمدی علماء ان کا سچ مچ
آسمان سے اترنا سمجھتے ہیں۔ اور حضرت اقدس حدیث مذکور کو استعارات
پر مشتمل قرار دیتے ہیں۔ اور اس جگہ جو لفظ موجود ہے کا تعلق صرف
دو زرد چادروں سے ہے۔ جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے نہ کہ
حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے۔

چنانچہ حضرت اقدس تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۷، ۵۰ اور ایڈیشن کلاں صفحہ ۴۰
پر صاف رقمطراز ہیں۔

"طرفہ تر یہ کہ مسلم میں کوئی آسمان کا لفظ موجود نہیں
پھر بھی اس حدیث کے خواہ مخواہ یہی معنے کئے جاتے
ہیں۔ کہ آسمان سے حضرت عیسیٰ اتریں گے۔"

پس حضرت اقدس کو صحیح مسلم میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے قطعاً انکار ہے
اور آسمان سے مسیح کے اترنے کے معنے آپ دوسروں کے قرار دیتے ہیں۔ اپنے مسلمہ معنی
آپکے مسلمہ معنے تو یہ ہیں کہ مسیح موعود آسمانی فیض سے فیضیاب ہوگا۔ اور فرشتوں
کی تائید اسے حاصل ہوگی۔ اور دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں جو اس
کے لازم حال رہیں گی۔

الزام پنجم

حافظ صاحب نے اپنے اشتہار میں لکھا تھا۔ کہ مرزا صاحب انجام آتھم
صفحہ ۳۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"احادیث صحیحہ میں فرمایا گیا ہے۔ کہ امام مہدی کو کافر ٹھہرایا جائیگا"
کسی قادیانی میں جرأت ہے۔ تو احادیث صحیحہ سے یہ مضمون ثابت
کرے ورنہ مرزا صاحب کے غلط گو ہونے کا اقرار کیا جائے۔

ہم نے اپنے رسالہ میں اس کے جواب میں تین حدیثوں سے اس امر کا ثبوت
پیش کر دیا تھا۔ دو حدیثیں تو وہ تھیں جو اس جگہ انجام آتھم میں بھی حضرت مرزا
صاحب نے خود بیان کر دی تھیں۔ اور ایک حدیث ہم نے صحیح بخاری سے پیش
کی تھی جو حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ جس میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ
حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَتَبِعْتُمُوهُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ
الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ (صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۷۶ مصری)

اس سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود کے مخالف علماء کو مسیح موعود کی تکفیر میں
ضرور یہودی علماء کے نقش قدم پر چلنا تھا۔ ہم نے لکھا تھا۔ کہ شیخ اکبر حضرت
محی الدین ابن عربی غالباً ایسی حدیثوں کی بناء پر لکھتے ہیں۔ کہ امام مہدی ظاہر ہوگا
تو خاص طور پر فقہاء یعنی علماء اس کے کھلے کھلے دشمن ہوں گے۔
(فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۶)

پھر ہم نے لکھا تھا۔ کہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھی حجج الکرامہ میں
مہدی کی تکفیر کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ علمائے وقت اس کی مخالفت میں اٹھ
کھڑے ہونگے۔ اور اسکی تکفیر و تضلیل کا حکم دیں گے۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳)
یہ لکھ کر ہم نے حافظ صاحب سے پوچھا تھا۔

"کیا ان بزرگوں نے بھی جھوٹ بولا ہے؟"

ہمیں انجام آتھم کے صفحہ ۳۰ پر یہ حوالہ نہیں ملا تھا جس پر حافظ صاحب نے اعتراض کیا تھا۔ ہاں اس کے ضمیمہ کے صفحہ ۱۲ پر اس قسم کے الفاظ موجود ہونے کا ہم نے ذکر کر کے حافظ صاحب کے جواب میں حضرت اقدس کی وہ عبارت جو دو حدیثوں کے ذکر پر مشتمل ہے پیش کر دی تھی۔ ایک حدیث مہدی کے زمانہ میں رمضان شریف میں کسوف و خسوف والی تھی جس کے ذکر میں حضور فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی کو ایسی خواب آئے کہ رمضان میں کسوف و خسوف ہوا تو اس کی تعبیر یہی ہے۔ کہ کسی بابرکت انسان کے زمانہ میں علماء وقت اس کی مخالفت کریں گے اور سبّ و توہین اور تکفیر سے اس سے پیش آئیں گے۔

پھر دوسری حدیث جس سے آپ نے استنباط فرمایا تھا۔ کہ مہدی کی تکفیر ہو گی۔ وہ خود مہدی کی آمد کے ذکر پر مشتمل حدیث ہے۔ جس میں اس کے مہدی نام سے بطور نکتہ کے آپ نے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ وہ شخص موعود مہدی کے نام سے بھی اس لئے نامزد کیا گیا ہے۔ تا اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے کہ لوگ اس کو مہدی یا ہدایت یافتہ نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ کافر اور بے دین کہیں گے جیسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مذمت کرنے والوں کے رد کے لئے محمد رکھا گیا تھا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اس قابل تعریف نبی کی شریر اور خبیث لوگ مذمت کریں گے۔ مگر وہ محمد ہے۔ یعنی نہایت ہی تعریف کیا گیا نہ مذمم (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۲)

حاشیہ لہ: نہ معلوم حافظ صاحب نے لاہوری فریق کی مطبوعہ کتاب کے حوالے سے یہ عبارت درج کی تھی۔ ہم نے یہ لکھنے میں حافظ صاحب پر کوئی الزام نہیں لگایا۔

آگے دیکھیں دوسرے صفحہ کا حاشیہ

حافظ صاحب کو ان حدیثوں کے استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ تعبیر کو حدیث قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور مہدی کے لفظ سے از خود ایک نقطہ (یعنی نکتہ) پیدا کر لینا حدیث نہیں کہلا سکتا۔

اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ احادیث سے جو امور مستنبط ہوتے ہیں خواہ وہ عبارت النص سے مستنبط ہوں یا اشارۃ النص وغیرہ سے وہ سب امور حدیث کا حکم ہی رکھتے ہیں۔ یہ امر اصول فقہ میں مسلم ہے۔ مگر اس جگہ حافظ صاحب حضرت اقدس پر اعتراض کرنے کے لئے اس اصل کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ پھر کسی حدیث کی تشریح میں علم التعبیر کے رو سے کسی اشارہ کا استنباط کیوں جائز نہیں اور مہدی کے لفظ سے کوئی نکتہ پیدا کرنا کیوں درست نہیں۔ اشارۃ النص سے جو علم اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ حدیث کے ترجمہ سے ہی بطور اشارہ کے اخذ کیا جاتا ہے۔ اور اقتضاء النص میں تو لفظ بھی موجود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف درائت کے رو سے ایک امر کو حدیث کا حکم قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ کہ میری امت سے خطا و نسیان اٹھائی گئی ہے۔ اس حدیث میں بطور اقتضاء النص جزا کا لفظ محذوف سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ خطاء و نسیان کا وجود تو امت میں موجود ہے۔ اس لئے عقل یہ بتاتی ہے۔ کہ امت سے خطاء و نسیان کا اٹھایا جانا ان معنوں میں ہے۔ کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰:۔ کیونکہ یہ مضمون ہمیں ضمیمہ انجام آتھم میں مل گیا تھا۔ لاہوری فریق نے جو کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں صفحات مسلسل چلتے ہیں۔ اور پہلے ٹائیٹل پیج کی نقل بھی انھوں نے قائم رکھی ہے۔ اس لئے یہ کتاب دراصل ضیاء الاسلام کا مطبوعہ ایڈیشن نہیں ہو گا ضیاء الاسلام کے مطبوعہ ایڈیشن میں تو ضمیمہ الگ ہے

حاشیہ لہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام محمد سے خود ایسا ہی نکتہ پیدا کیا ہے۔ تو اعتراض کیسا ہے؟

ان کی جزاء اٹھا دی گئی ہے۔ یعنی خطا و نسیان پر امت کو کوئی گرفت نہیں ہوگی۔
اطولکن یدًا والی حدیث کی تشریح میں حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ
رضی اللہ عنہا نے علم التعبیر سے ہی کام لے کر لمبے ہاتھوں سے سخاوت مراد لی ہے
سخاوت اسکے تعبیری معنی ہی ہیں۔ نہ کہ حقیقی لفظی معنی جو صرف ظاہری لمبائی کو
چاہتے ہیں۔ ماسوا اسکے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی صحیح بخاری کی
اس حدیث سے جو ہم نے پیش کی تھی۔ ایسا ہی استدلال فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہمنے
پیش کیا تھا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

" اور پھر فرمایا۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) کہ اس امت پر ایک
آخری زمانہ آئیگا کہ علماء اس امت کے یہود کے مشابہ ہو جائینگے
اور دیانت اور تقویٰ ان سے جاتی رہے گی۔ اور جھوٹے فتوے
اور مکاریاں اور منصوبے ان کا دین ہوگا۔" (شہادۃ القرآن ص۱۱)

حافظ محمد ابراہیم صاحب کو اس حدیث سے مسیح موعود کی تکفیر کیا جانے
کے متعلق ہمارے استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ کیا اس قسم کی تمام احادیث
سے خاص دعوے ثابت ہو سکتا ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔
اسمیں علماء کی عام دیانت اور تقوے کا ہی ذکر ہے۔ اور علماء کا خلاف
تقوے و دیانت مقدم فعل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ غلط فتوے دیں۔ اور مسیح
موعود کے زمانہ میں اسکی تکفیر و تکذیب کریں۔ تب ہی ان کی یہود سے عام
مشابہت ثابت ہوگی۔ تمام جزئیات میں مشابہت امر تشبیہ میں ضروری نہیں
ہوتی۔ اس زمانہ میں فتوے بازی علماء کا عام کام تھا۔ اور عام امر کا ثبوت
اس حدیث سے حافظ صاحب کو بھی مسلم ہے۔ ہمارا یہ عام دعویٰ اس حدیث
سے ثابت نہیں تو پھر حافظ صاحب اور کن امور کو اس حدیث سے ثابت سمجھتے
ہیں۔ جو خاص باتیں انہوں نے بصورت اعتراض پیش کی ہیں۔ ان کا استنباط
تو ہم بھی اس حدیث سے درست نہیں سمجھتے۔ اور فتوے بازی علماء کا عام
کام تھا۔ پس جن جن کاموں میں واقعات کے لحاظ سے علماء کی یہود سے
مشابہت ثابت ہو جائے۔ وہ بہرحال اس حدیث سے ضرور مستنبط ہوں گے۔
کیونکہ واقعات ہی پیشگوئیوں کی صحیح توجیہ ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت اقدس
یا ہم لوگ واقعات کی روشنی میں اس حدیث کی جو تشریح کر رہے ہیں اسکی
موجودگی میں حافظ صاحب کا حضرت اقدس پر جھوٹ بولنے کا الزام درست
نہیں۔ حضرت اقدس کو اور ہمیں واقعات کی روشنی میں حدیث سے یہ امر مستنبط
کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

ثالثاً نواب صدیق حسن خاں صاحب بھی حدیث کی بناء پر لکھتے ہیں کہ

" چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیائے سنت و اماتت
بدعت فرمائند علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہاء و مشائخ و آباء خود
باشند۔ گویند ایں مرد خانہ برانداز دین و ملت ما است و بمخالفت
برخیزند و حسب عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند "
(حجج الکرامہ صـ ۳۶۳)

کہ جب امام مہدی سنت کو زندہ کرنے کے لئے اور بدعت کو مٹانے کیلئے
جد و جہد کریں گے تو علمائے وقت جو فقہاء اور مشائخ اور آباء کی تقلید کے
عادی ہوں گے کہیں گے یہ شخص ہمارے دین و مذہب کا گھر برباد کرنے والا ہے
اور مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اپنی عادت کے مطابق اسے کافر
اور گمراہ قرار دیں گے۔ اگر یہ امر حدیث سے مستنبط نہیں تو کیا نواب صاحب نے

از خود اس امرِ غیب کو گھڑنے کی جرأت کی ہے۔ ایسا کرنا تو جھوٹ بولنے سے بھی بڑھ کر عیب ہے جو امید ہے حافظ صاحب اپنے اس مسلّم بزرگ کی طرف منسوب نہیں کر سکیں گے۔

الزام ششم

حضرت اقدس نے ضرورۃ الامام کے ص۵ پر فرمایا تھا۔ پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت انتشار نورانیت اس حد تک ہوگا۔ کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائیں گے۔ اور نابالغ بچے نبوت کریں گے۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری نے اس امر کو مرزا صاحب کا احادیث نبویہ پر صریح افترا قرار دیا ہے۔ اور احادیث سے اس مضمون کا ہم سے ثبوت مانگا ہے۔

ہم نے اس کے جواب میں لکھا تھا۔ کہ حضرت اقدس نے اس جگہ یہ مضمون نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ کے مشترک مفہوم کی صورت میں پیش فرمایا ہے۔

چنانچہ ہم نے ایک حوالہ اس بارہ میں رسولوں کے اعمال سے دیا اور تین حدیثیں بھی پیش کیں۔ اعمال کے حوالہ اور ان حدیثوں کا مشترک مفہوم وہی ہے۔ جو حضرت اقدس نے ضرورۃ الامام کے ص۵ پر درج فرمایا ہے۔ رسولوں کے اعمال میں یوایل نبی کی پیشگوئی کا ذکر ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے "آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے ہر فرد بشر پر ڈالوں گا۔ اور تمہارے بیٹے اور بیٹیاں نبوت کرینگی" (اعمال ۲/۱۷)

پھر صحیح بخاری کی حدیث پیش کی گئی جس میں لکھا ہے:۔
کہ جب زمانہ قریب ہوگا (یعنی قرب قیامت میں) مومنوں کی خوابیں سچی ہونگی۔ اور مومن کی خوابیں نبوت کا چھیالیسواں

حصہ ہیں صحیح بخاری جلد ۴ ص۱۴۲ مطبوعہ مصر باب القید فی المنام پھر ہم نے مسند احمد بن حنبل سے دو حدیثیں پیش کیں جن کا مضمون یہ ہے کہ جب قرب قیامت ہوگا۔ تو مسلمانوں کی خوابیں جھوٹی نہ ہونگی اور جو شخص (مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا بچہ ناقل) ایسا ہوگا کہ اس کی گفتگو زیادہ سچی ہوگی۔ اس کی خوابیں بھی زیادہ سچی ہونگی۔ اور مسلمانوں کی خوابیں نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتی ہیں۔

[illegible]

یوایل نبی کی اس پیشگوئی میں جو رسولوں کے اعمال کے حوالہ سے پیش کی گئی تھی۔ آخری زمانہ میں انتشار روحانیت اور نیک مردوں عورتوں بلکہ بچوں کے بھی صاحب الہام ہونے کا صاف ذکر موجود ہے۔ عورتوں اور بچوں کے نبوت کرنے سے مراد یہی ہے کہ انہیں امور غیبیہ پر مشتمل خوابیں آئیں گی جو سچی ہونگی۔ یوایل نبی کی اس پیشگوئی کی تصدیق مندرجہ بالا احادیث نبویہ بھی کر رہی ہیں جن میں آخری زمانہ کے مومنوں کو (خواہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے) سچی خوابیں آنے کا ذکر ہے۔ اور سچی خوابوں کو حدیث میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

اگر نبوت نور ہے تو اس کا چھیالیسواں حصہ سچی خوابیں بھی نور نبوت ہے اور پھر اس سے آخری زمانہ کے مومنوں کو حصہ ملنے کا حدیثوں میں صاف ذکر موجود ہے۔ آخر حافظ صاحب حدیث سے اور کیا دیکھنا چاہتے ہیں حضرت اقدس کا بیان کردہ مضمون تو حدیثوں سے ثابت ہے۔

حافظ صاحب کا اعتراض

حافظ صاحب نے جواب الجواب میں ہم پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ رسولوں کے اعمال میں یوایل نبی کی اس پیشگوئی کو پطرس حواری نے اپنے زمانہ کی ایک عید کے

اُس واقعہ پر چسپاں کیا ہے۔ جس میں مسیح کے شاگردوں کو آگ کے شعلے سے پھٹتی ہوئی زبانیں دکھائی دیں۔ اور ان میں سے ہر ایک پر آٹھہریں اور وہ سب روح القدس سے بھر گئے۔ اور غیر زبانیں بولنے لگے۔ جس طرح روح نے انھیں بولنے کی طاقت بخشی۔

اس بنا پر حافظ صاحب اس امر کو میری بد دیانتی قرار دیتے ہیں۔ کہ میں نے "آخری دنوں میں ایسا ہوگا" سے قرب قیامت کا زمانہ مراد لیکر ان کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔

ہمارا جواب

اس کے جواب میں عرض ہے کہ یوآئل نبی کی پیشگوئی کو پطرس نے اپنے زمانہ کے ایک واقعہ پر محض اس بنا پر چسپاں کیا ہے۔ کہ وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا تھا۔ کہ اس کا یہ زمانہ قرب قیامت کا زمانہ ہی ہے۔ اور مسیح اپنے شاگردوں کی زندگی میں ہی دوبارہ آجائیگا۔ اس لئے جب عید کے دن مسیح کے شاگردوں نے یہ نظارہ دیکھا۔ تو اس نے اس واقعہ پر اس پیشگوئی کو چسپاں کر دیا۔ حالانکہ اس پیشگوئی کا تعلق حواریوں یا مسیح کے شاگردوں سے نہ تھا۔ بلکہ آخری زمانہ میں عام مومن مردوں۔ عورتوں اور بچوں سے تھا۔ جیسا کہ پیشگوئی کے الفاظ سے ظاہر ہے

پس پطرس کا اس واقعہ پر اس پیشگوئی کو چسپاں کر دینا محض پطرس کی ایک ذوقی بات ہے جس کو قبول کرنے کے لئے ہم مکلّف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے جب اس زمانہ کو قرب قیامت کا زمانہ قرار دیا ہے۔ اور یوآئل نبی نے بھی آخری دنوں کا ذکر کیا ہے۔ تو پطرس کا اپنے زمانہ کو آخری دن قرار دے لینا محض ایک اجتہادی خطا پر مشتمل ذوقی امر تھا۔ چنانچہ اس زمانہ سے اب تک قریباً دو ہزار سال کا زمانہ گزر گیا ہے۔ لیکن ابھی قیامت نہیں آئی۔

پس ہم پطرس کے زمانہ کو آخری ایام قرار نہیں دے سکتے۔ اس کا یہ اجتہاد کہ اس کا زمانہ آخری دن ہیں واقعات کے رو سے سراسر غلط ثابت ہو چکا ہے۔ جب خود اناجیل میں آخری زمانہ کو قرب قیامت کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ تو پطرس کی یہ توجیہ کہ یوائل نبی کی پیشگوئی شاگردوں کے زمانہ میں ہی پوری ہو رہی ہے۔ اس کی اجتہادی غلطی پر مشتمل ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک حجت نہیں۔ بلکہ انجیل کا اپنا بیان پطرس کے اس بیان پر ترجیح رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ احادیث نبویہ کے مطابق ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوائل نبی اور احادیث نبویہ کی اس پیشگوئی کو مدنظر رکھتے ہوئے ضرورۃ الامام میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سراسر صداقت پر مبنی ہے۔ اور حافظ محمد ابراہیم صاحب کا الزام باطل ہے۔

الزام ہفتم

ساتواں الزام یہ تھا۔ کہ مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۹۰ پر مجدد صاحب سرہندی کے حوالہ سے یہ مضمون لکھا ہے۔ کہ جس سے کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ ہو اسے نبی کہتے ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحب نے جب دعوئے نبوت نہیں کیا تھا۔ تو انھوں نے خود ازالہ اوہام۔ براہین احمدیہ اور تحفہ بغداد میں مجدد صاحب کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ کہ جسے کثرت مکالمہ و مخاطبہ ہو اسے محدث کہتے ہیں۔ .... مرزا صاحب نے مجدد صاحب کے حوالہ میں جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہے"

ہم نے اس کے جواب میں لکھا۔ کہ محدث والا حوالہ اور ہے۔ اور نبی والا حوالہ اور۔ اور ثابت کیا تھا۔ کہ حضرت اقدس کے نبی والے حوالہ میں جو

حقیقۃ الوحی سے ماخوذ ہے۔ حافظ صاحب نے خود تحریف سے کام لیا ہے کیونکہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر صرف مکالمہ مخاطبہ کی کثرت کا ہی ذکر نہیں۔ بلکہ ساتھ ہی امور غیبیہ کی کثرت کا بھی ذکر ہے۔ جسے حافظ صاحب نے حذف کر دیا ہے۔ بے شک ازالہ اوہام۔ براہین احمدیہ اور تحفہ بغداد میں مجدد صاحب سرہندی علیہ الرحمۃ کا محدث والا حوالہ درج ہے۔ کہ جسے کثرت مکالمہ مخاطبہ ہو اس کا نام محدث رکھتے ہیں۔ مگر نبی والا حوالہ اور ہے۔ چنانچہ نبی کی تعریف مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳۱ صفحہ ۴۴۶ پر درج ہے۔ جس سے حقیقۃ الوحی کا بیان ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ ہم نے اس حوالہ کا مضمون اپنے رسالہ میں درج کر دیا تھا کہ

متشابہ (یعنی متشابہات قرآنی) خدا تعالےٰ کے نزدیک تاویل پر محمول ہیں۔ اور ظاہر سے پھیرے گئے ہیں۔ اور علمائے راسخین کو خدا تعالےٰ اس تاویل کے علم سے ایک حصہ وافر عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ علم غیب جو خدا تعالےٰ سے مخصوص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع بخشتا ہے۔ اس تاویل کو ایسی تاویل خیال نہ کرنا جس رنگ میں ہاتھ کی تاویل قدرت اور وجہ کی تاویل ذات ہے۔ حاشا وکلا یہ تاویل اسرار میں سے ہے۔ جس کا علم اخص خواص کو ہی عطا فرماتا ہے۔ (مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳۱) یہ حوالہ پیش کر کے ہم نے دکھایا کہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر جو دو باتیں مذکور تھیں انھیں دونوں کا ذکر اس حوالہ میں بھی موجود ہے۔

اول:۔ بعض افرادِ امت کو مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نصیب ہونا۔

دوم:۔ رسولوں کی یہ خصوصیت کہ انھیں خدا کے خاص غیب پر اطلاع دی جاتی ہے۔ کثرت سے اطلاع دیا جانا اس حوالہ کے منطوق سے

فقہ اسلامی کے مسلمہ قاعدہ اقتضاء النص کے طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ یہ مضمون قرآن مجید کی آیت لا یظہر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسولٍ (سورہ جن ع ۲) سے اخذ کردہ معلوم ہوتا ہے۔ جس میں رسول کے لئے اظہار علی الغیب یعنی کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اظہار کا صلہ جب علیٰ ہو تو اس سے مراد غلبہ دینا ہوتا ہے۔ پس رسول کو دوسرے ملہمین کے بالمقابل اس آیت کے رو سے خدا امور غیبیہ پر غلبہ دیتا ہے۔ یعنی ان کے مقابلہ میں رسولوں کو کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔ گویا ان سے خدا تعالےٰ کا جو مکالمہ و مخاطبہ امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ کیفیت اور کمیت دونوں میں اپنے زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے درجہ کمال پر پہنچ جاتا ہے مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اس حوالہ مندرجہ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳۱ کو معلوم کر لینے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ حافظ محمد ابراہیم صاحب اپنے جھوٹ کے الزام کو واپس لے لیتے۔ مگر اس کی بجائے وہ ہمارے جواب کو ہماری ہیرا پھیری قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:۔

"مرزائی دوستو! آپ کے قاضی صاحب نے مرزاجی کو ہمارا الزام سے بچانے کے لئے کہا تھا۔ کہ مجدد صاحب سرہندی کی کتاب سے مرزاجی نے ایک ہی حوالہ میں خیانت نہیں کی بلکہ یہ مختلف مضامین کے دو حوالے ہیں۔ اور اپنے دعوے کی بنیاد اس امر کو قرار دیا تھا۔ کہ محدث والے حوالہ میں محض کثرت مکالمہ مخاطبہ کا ذکر ہے اور محدث کا یہی درجہ ہوتا ہے۔ اور نبی والے حوالہ میں بکثرت امور غیبیہ کا ذکر ہے۔ اور یہ منصب صرف نبی کا ہے محدث کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔

ہم نے مرزاجی کی اپنی تحریرات سے قاضی صاحب کی جوابی بنیاد

کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اور مرزا جی کا اقبالی[۵۷] بیان پیش کر دیا ہے کہ محدث کو بھی بکثرت امور غیبیہ کا علم دیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ مرزا جی کی نبوت بھی کثرت مکالمہ مخاطبہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ میں نے بقول قاضی صاحب دو حوالوں کو ایک بنا کر بد دیانتی کی ہے۔ یا مرزا صاحب نے ہی ایک حوالہ میں خیانت کر کے کذب بیانی۔ اور قاضی جی نے ایک ہی حوالہ کو دو سمجھ کر اپنی سادہ لوحی کا ثبوت دیا ہے۔"

(صفحہ ۱۵ رسالہ جواب الجواب حافظ صاحب)

الجواب اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ ہماری جوابی بنیاد میں مد نظر مجدد صاحب سرہندی کے حوالہ جات ہیں۔ نہ کہ حضرت مرزا صاحب کی ذاتی تحریرات کیونکہ اس جگہ زیر بحث حوالہ مجدد صاحب سرہندی کا تھا لہٰذا حضرت اقدس کی تحریرات سے ہماری بنیاد کو غلط قرار دینا مناظرہ نہیں بلکہ مغالطہ یا کھینچا تانی سے اپنا مطلب سیدھا کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ جو حافظ کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

بات یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اعلان نبوت سے پہلے جب محدثیت کا دعوے کیا تھا اور یہ بات خود حافظ صاحب کو بھی مسلم ہے۔ تو ان کا مناظرانہ اور محققانہ فرض یہ تھا کہ وہ یہ تسلیم کرتے کہ محدثیت کے دعوے

حاشیہ ۵۷:۔ مگر اس موقعہ پر جو عبارت حضرت اقدس کی محدث کو امور غیبیہ کثیرہ دیا جانے کی حافظ صاحب نے پیش کی ہے۔ وہ سنہ ۱۹۰۱ء یعنی تبدیلی عقیدہ سے پہلے کی ہے۔ اور تبدیلی عقیدہ کے بعد وہ حجت نہیں۔ اس لئے اس کی حیثیت کسی اقبالی بیان کی قرار دینا درست نہیں۔

کے زمانہ میں حضرت اقدس مجدد صاحب سرہندی کا صرف محدث کی تعریف والا حوالہ ہی اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر سکتے تھے۔ اور جب حافظ صاحب کو مسلم ہے کہ اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی اور اپنے تئیں محدث سے بڑھ کر نبی قرار دیا (مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی) تو پھر اس وقت حضرت اقدس مجدد صاحب سرہندی کے محدث والا حوالہ کو اپنی تائید میں کیسے پیش کر سکتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس وقت آپ وہی حوالہ مد نظر رکھ سکتے تھے۔ جس میں مجدد صاحب سرہندی علیہ الرحمۃ کی طرف سے نبی یا رسول کی تعریف و خصوصیت کا ذکر ہوتا۔

لہٰذا حافظ صاحب کا دونوں زمانوں کے حوالوں کو ایک قرار دینا اور اس امر کو حضرت اقدس کی خیانت پر محمول کرنا سراسر بے انصافی اور ظلم عظیم ہے۔ اگر حضرت اقدس نے دوسرے حوالہ کے لئے مکتوب کے نمبر یا صفحہ وغیرہ کا حوالہ نہیں دیا تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ پہلے ہی حوالہ کو جو محدث کی تعریف پر مشتمل ہے۔ آپ نے حقیقۃ الوحی میں بگاڑ کر پیش کر دیا ہے۔ خصوصاً جبکہ نبی کی تعریف مجدد صاحب سرہندی کی کتاب میں دوسری جگہ پر مذکور ہے جس کا ہم حوالہ دے چکے ہیں۔

پھر مجدد صاحب سرہندی کے محدث والے حوالہ میں تو امت محمدیہ کا خصوصیت سے ذکر بھی موجود نہیں بلکہ یہ عام بات لکھی ہے کہ انبیاء کے کامل متبعین سے جب خدا بکثرت ہمکلام ہو تو ایسے لوگ محدث کہلاتے ہیں۔ لیکن حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ کی عبارت میں صاف طور پر امت محمدیہ کے خص افراد کے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہونے اور بکثرت امور غیبیہ پر اطلاع پانے والے کو مجدد صاحب سرہندی کے بیان کے رو سے

نبی قرار دیا گیا ہے۔ پس دونو حوالے ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ حضرت اقدس لکھتے ہیں

"مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں۔ اور قیامت تک مخصوص رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو اس مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں۔ وہ نبی کہلاتا ہے"

اگر یہ مضمون مکتوبات مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ میں کسی جگہ موجود نہ ہوتا تو پھر تو حافظ صاحب حضرت اقدس کو الزام دے سکتے تھے۔ لیکن جب ہم نے یہ مضمون مکتوبات سے ہی اپنے جواب میں پیش کر دیا ہے۔ تو پھر ان کا اس بات پر زور دینا کہ جو حوالہ مجدد صاحب سرہندی کا محدث کی تعریف کے متعلق تھا اسے ہی حضرت اقدس نے اس جگہ اس کا مضمون بدل کر پیش کر دیا ہے۔ محض ان کی ہٹ اور ضد ہے۔

پس محض مکالمہ مخاطبہ کی کثرت کے حامل کو محدث قرار دینا اور رسولوں کو خالص غیب سے مخصوص قرار دینا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ جو مجدد صاحب سرہندی علیہ الرحمۃ کے الگ الگ مکتوبوں میں ملتی ہیں جس طرح مجدد صاحب سرہندی علیہ الرحمۃ کی یہ دو عبارتیں ایک مضمون کی حامل قرار نہیں دی جا سکتیں۔ اسی طرح حضرت اقدس نے مجدد صاحب سرہندی علیہ الرحمۃ کی طرف دو مختلف وقتوں میں جو ایسی ہی دو باتیں منسوب کی ہیں ایک قرار نہیں دی جا سکتیں۔

پس محدثیت کے دعوے کے وقت آپ نے محدث کی تعریف والی

عبارت کا حوالہ دیا ہے لہٰذا امتی نبی کے اعلان کے وقت آپ کے مدنظر حقیقۃ الوحی میں مجدد صاحب سرہندی کا ایسا ہی حوالہ ہو سکتا ہے جس میں امت محمدیہ کے افراد کے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہونے اور علم غیب سے رسولوں سے مخصوص ہونے کا ذکر موجود ہو۔

پس میں نے زیر بحث حوالوں کو دو حوالے اس بنا پر قرار دیا تھا۔ کہ ایک حوالہ میں مجدد صاحب سرہندی نے محض مکالمہ مخاطبہ کی کثرت پانے والے کو محدث قرار دیا ہے۔ اور دوسرے حوالہ میں امور غیبیہ سے صرف خالص رسولوں کو مخصوص قرار دیا ہے۔

پس حافظ صاحب کے اعتراض کے جواب کے لئے میری یہ بنیاد اب بھی اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہے کہ مجدد صاحب سرہندی نے محض مکالمہ مخاطبہ کی کثرت کو نبوت قرار نہیں دیا۔ اور نہ امور غیبیہ کو محدث سے مخصوص قرار دیا ہے۔ بلکہ مکالمہ مخاطبہ مشتمل بر امور غیبیہ کو ہی خالص رسولوں سے مخصوص قرار دیا ہے۔ اسی بنیاد پر میں نے کہا تھا۔ کہ یہ دونو حوالے ایک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مضمون پر مشتمل ہیں۔

لیکن حافظ صاحب نے اپنی جرح میں اس اصل بنیاد کو چھوڑ کر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی بعض ایسی عبارتیں پیش کی ہیں جن میں آپ نے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی کثرت کو نبوت قرار دیا ہے۔ یا محدث کے لئے آپ نے امور غیبیہ کی کثرت تسلیم کی ہے۔ حالانکہ جہاں مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی کثرت کو آپ نے نبوت قرار دیا ہے۔ وہاں ایسا ہی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ مراد ہے جو بکثرت امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔

حافظ صاحب اپنی اس بات کے ثبوت میں کہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ

کی کثرت کو حضرت اقدس نے نبوت قرار دیا ہے۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸ کا
یہ حوالہ پیش کرتے ہیں۔ کہ

مراد میری نبوت سے صرف کثرت مکالمت و مخاطبت
الٰہیہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل
ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کے تو آپ لوگ بھی قائل ہیں۔
پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام
مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم
الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔"

نیز ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص۱۲۱ کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں۔ کہ

میری نبوت سے اللہ تعالےٰ کی مراد صرف کثرت مکالمہ
مخاطبہ ہے۔ جو اس سے زیادہ خیال کرے اس پر خدا کی لعنت ہو"

یہ حوالے پیش کر کے حافظ صاحب لکھتے ہیں:۔

" دیکھئے قاضی صاحب یہاں آپ کے حضرت صاحب
اپنے لئے صرف کثرت مکالمہ مخاطبہ کا ذکر کرتے ہیں اور
اسی کا نام نبوت رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کثرت مکالمہ
مخاطبہ کو محدثیت اور نبوت کے لئے کثرتِ علوم غیبیہ
کو شرط قرار دیتے ہیں۔"

حالانکہ حافظ صاحب اس امر کو خوب جانتے ہیں۔ کہ اس جگہ بھی
اس مکالمہ مخاطبہ سے جس کی کثرت کا نام حضرت اقدس بموجب حکمِ
الٰہی نبوت رکھتے ہیں۔ حضرت اقدس کے نزدیک ایسا مکالمہ مخاطبہ
ہی مراد ہے جو امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔ چنانچہ خود حافظ صاحب ایڈیٹر

صاحب پیغام صلح کے جواب میں اپنے اسی رسالہ میں حضرت اقدس
کے عقیدہ میں تبدیلی ثابت کرتے ہوئے محدثیت اور نبوت میں فرق
بیان کرنے کے لئے حضرت اقدس کے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ"۔
۵ نومبر ۱۹۰۱ء کی ذیل کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

" اگر خدا تعالےٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں
رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اسے پکارا جائے۔ اگر کہو
کہ اس کا نام محدث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں۔ کہ تحدیث
کے معنے کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔
مگر نبوت کے معنے اظہار امر غیب ہے۔"

حافظ صاحب کی طرف سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پیشکردہ
یہی عبارت ہماری طرف سے ان کی اس تنقید کا جواب ہے۔ جو انہوں نے
تتمہ و ضمیمہ حقیقۃ الوحی کے حوالے پیش کرنے کے بعد یوں کی ہے۔ کہ

" دیکھئے قاضی صاحب یہاں آپکے حضرت صاحب اپنے لئے
صرف کثرت مکالمہ مخاطبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کا نام
نبوت رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کثرت مکالمہ مخاطبہ کو محدثیت
اور نبوت کے لئے کثرت علوم غیبیہ کو شرط قرار دیتے
ہیں۔" (رسالہ حافظ صاحب ص۶۴)

اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" ۵ نومبر ۱۹۰۱ء کی مندرجہ بالا
عبارت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم نے محدث اور نبی میں جو فرق
قرار دیا تھا۔ وہ حضرت اقدس کی اس اشتہار کی تحریر کے عین مطابق تھا
لہٰذا تتمہ و ضمیمہ حقیقۃ الوحی کے حوالوں میں بھی جو اس اشتہار سے

بعد کی کتاب ہے مکالمہ مخاطبہ سے ایسا مکالمہ مخاطبہ ہی مراد ہو سکتا ہے جو بکثرت امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔ نہ کہ مطلق مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ جو محدث کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ضمیمہ وتتمہ حقیقۃ الوحی سے پہلے خود حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر بھی نبی کے لئے آپ نے ایسا مکالمہ مخاطبہ ہی ضروری قرار دیا ہے۔ جو بکثرت امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔ چنانچہ آپ آیت قرآنیہ لایظھر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"خدا تعالےٰ اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا۔ جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو"

حافظ صاحب جانتے ہیں۔ کہ اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ اگر کوئی لفظ ایک جگہ بظاہر مطلق بیان کیا گیا ہو۔ لیکن دوسری جگہ اس کی قید بھی بیان کر دی گئی ہو۔ تو مطلق لفظ کا حکم مقید ہی سمجھا جائے گا۔ نہ کہ مطلق جیسا کہ قرآن میں ایک جگہ آتا ہے۔ انما حرم علیکم المیتۃ والدم (الآیۃ کہ تم پر مردار اور خون حرام ہے) مگر اس جگہ دم (خون) سے مطلق دم (خون) مراد نہیں بلکہ دمِ مسفوح مراد ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں دوسری جگہ دم کے ساتھ مسفوح کی قید بھی مذکور ہے۔ یعنی ایسا خون حرام قرار دیا گیا ہے جس میں بہنے کی قابلیت تھی۔ اسی بناء پر فقہا نے تلی اور جگر کے استعمال کو حلال قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ان کے نزدیک خون تو ہیں۔ مگر خونِ مسفوح نہیں۔

پس تبدیلی عقیدہ کے بعد تتمہ وضمیمہ حقیقۃ الوحی میں حضرت

اقدس نے جہاں کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کو نبوت قرار دیا ہے۔ تو اصول فقہ کی روشنی میں وہاں اشتہار ۵ نومبر ۱۹۰۱ء اور حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ کی عبارت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا مکالمہ مخاطبہ ہی مراد ہے۔ جو بکثرت امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے آپ مکالمہ مخاطبہ کے ساتھ امور غیبیہ کی قید لگا چکے ہیں ہاں تبدیلی عقیدہ سے پہلے کی ذیل تحریر میں جسے حافظ صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۶۳ پر پیغام صلح حاشیہ ۱۹۵ کی بتاتے ہیں حالانکہ ایام الصلح صفحہ ۱۷۲ کی ہے ضرور لکھا ہے کہ۔[عہ]

"قرآن مجید میں آتا ہے۔ لایظھر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول یعنی کامل طور پر غیب کا بیان کرنا صرف رسول کا کام ہے۔ دوسرے کو یہ مرتبہ عطا نہیں ہوتا۔ رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ خواہ وہ نبی ہوں یا رسول۔ یا محدث یا مجدد"

اس عبارت کے خط کشیدہ الفاظ میں بے شک محدث اور مجدد کے لئے نبی کی طرح کامل غیب کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ نے رسول کے لفظ کو اس آیت میں اس کے وسیع لغوی معنوں میں لیا ہے۔ اور ان وسیع معنوں میں آپ اپنے تئیں اس وقت بھی رسول سمجھتے تھے اور اپنے اوپر کثرت امور غیبیہ کا نزول مشاہدہ کر کے قیاساً مامور محدث اور مجدد کو بھی رسولوں کے زمرہ میں داخل قرار دیتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ اپنے تئیں جزئی نبی یا مامور محدث قرار دیتے تھے۔ مگر ۱۹۰۱ء میں جیسا کہ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے آپ نے اظہار علی الغیب کو نبی اور محدث میں امتیازی امر قرار دیا ہے۔ اس سے

عہ حافظ صاحب سے حوالہ دینے میں سہو ہوا ہے مگر ہم ان کی طرح ضد سے ان کے سہو کو ان کا جھوٹ قرار نہیں دیتے۔

صاف ظاہر ہے کہ جب آپ اپنے تئیں مامور محدث قرار دیتے تھے۔ اور مامور محدث کے لئے کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع پانا ضروری سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں بھی درحقیقت امتی نبوّت آپ کے وجود میں ضرور متحقق تھی۔ اور حقیقتہً تبدیلی عقیدہ کے پہلے بھی امتی نبوت کے مدعی تھے۔

لہٰذا تبدیلی دعوئے نبوت میں نہیں ہوئی بلکہ یہ تبدیلی صرف لفظی ہوئی ہے نہ کہ حقیقی یعنی تبدیلی عقیدہ کے وقت اپنے جزئی نبی کا لفظ ترک کر کے اس کی بجائے امتی نبی کا لفظ اپنے متعلق استعمال کرنا شروع فرما دیا۔ اور یہ تبدیلی اس انکشاف کے نتیجہ میں ہوئی کہ آپ اپنی تمام شان میں حضرت مسیح ابن مریم سے بڑھکر ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی تمام شان میں بڑھکر ہونے کا عقیدہ آپ نے اس وقت اختیار کیا جبکہ وحی الٰہی میں آپ کو نبی کا خطاب تواتر سے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی (دیکھو حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸ تا ۱۵۰)

لہٰذا سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کسی تحریر کو جس کے بعد یہ تبدیلی وقوع میں آگئی تھی۔ حافظ صاحب کا ہمارے خلاف حجت پکڑنا درست نہیں کیونکہ ایسا کرنا اصول فقہ کے خلاف ہے۔ اصول فقہ کے لحاظ سے تو بعد کا قول جو ناسخ ہوتا ہے حجّت ہوا کرتا ہے۔ منسوخ قول بعد کے زمانہ کے لئے حجّت نہیں ہوتا۔

حافظ صاحب کا اصرار

حافظ صاحب حقیقۃ الوحی اور ازالہ اوہام کے عنوان میں حضرت اقدس کی طرف مجدد صاحب سرہندی کی طرف منسوب شدہ دو حوالوں کو ایک ہی حوالہ قرار دینے کیلئے

یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"بکثرت امور غیبیہ کا لفظ (جو حقیقۃ الوحی میں ہے لیکن پہلے تین حوالوں میں نہیں تھا) جس کی بنا پر قاضی جی دو حوالے بتاتے ہیں۔ صرف کثرت مکالمہ مخاطبہ کی تشریح ہے"

حالانکہ اشتہار ۵ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء یعنی اشتہار ایک غلطی کے ازالہ سے خود حافظ صاحب نے نبی اور محدث کے درمیان فرق کرنے والی جو عبارت درج کی ہے اس میں صاف امور غیبیہ کو محدث اور نبی میں فارق بیان کیا گیا ہے پس حقیقۃ الوحی ص ۳۹۰ پر امور غیبیہ کے الفاظ مکالمہ مخاطبہ کی تشریح قرار نہیں دئے جا سکتے۔ بلکہ نبی کی خصوصیت سمجھے جائیں گے۔ نہ کہ محدث اور نبی میں امر مشترک

پس حافظ صاحب کا ان الفاظ کو خلاف منشائے متکلم تشریح قرار دینا محض ایچاپیچی ہے نہ کہ محققانہ طریق پر بحث۔ کیونکہ امور غیبیہ کی کثرت سنہ ۱۹۰۱ء سے حضرت اقدس کے نزدیک محدث اور نبی کے درمیان ایک امتیازی فرق کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہاں محدث اور نبی دونوں ہی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے ضرور مشرف ہوتے ہیں۔ پس نبی کی اس امتیازی خصوصیت کو مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی تشریح قرار دینا صریح اخفاء حق ہے۔ جس کے حافظ صاحب جان بوجھ کر مرتکب ہو رہے ہیں۔

یعنی صرف اس لئے مرتکب ہو رہے ہیں تا حضرت اقدس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگانے میں ان سے جو غلطی سرزد ہوئی ہے اس پر اس ایچاپیچی سے پردہ ڈال سکیں۔ لیکن اب ہم نے خدا کے فضل سے یہ پردہ اٹھا دیا ہے۔ اور اصل حقیقت نمایاں ہو کر سامنے آگئی ہے کہ کثرت امور غیبیہ کے الفاظ

حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر اس مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی جو نبی کو ہوتا ہے تشریح نہیں۔ بلکہ شرط یا قید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور صاف ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ کہ محدث کو اسی طرح علی وجہ الکمال امور غیبیہ کثیرہ سے حصہ ملتا ہے جس طرح نبی کو ملتا ہے۔

پس حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ کے حوالہ میں جو نبی کی تعریف کے متعلق حضرت اقدس نے مجدد صاحب سرہندی کے قول کے رو سے بیان کیا ہے حضرت مجدد صاحب سرہندی کا رسولوں کی خصوصیت والا حوالہ مدنظر ہے نہ کہ محدث کی تعریف والا حوالہ اور حافظ صاحب کا حضرت اقدس پر مجدد صاحب کے محدث والے حوالہ میں تحریف کر کے پیش کرنے کا الزام صریح ظلم اور زیادتی ہے۔

الزام ہشتم حافظ محمد ابراہیم صاحب نے لکھا تھا۔ کہ ازالہ اوہام کے آخری صفحہ پر لکھا ہے:۔

کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کو لدھیانہ سے نکل جانے کا حکم ڈپٹی کمشنر کی طرف سے ملا تھا۔ لیکن مجھے اخراج کا حکم نہیں ملا۔

حافظ صاحب لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب نے اپنے متعلق عمداً غلط بیانی کی ہے۔ ہم قادیانی لٹریچر سے ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ مرزا جی کو لدھیانہ چھوڑنے کا باقاعدہ حکم ہوا تھا"

ہم نے اس کے جواب میں اپنے رسالہ میں ازالہ اوہام کے آخری صفحہ کی وہ ساری عبارت پیش کر دی تھی۔ جسے حافظ صاحب نے قطع و برید کے ساتھ بلکہ مضمون تبدیل کر کے پیش کیا تھا۔ اس عبارت میں حضرت اقدس لکھتے ہیں۔

بعض دوستوں کے خط پہنچے۔ کہ جیسے مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی بعد مباحثہ شہر لدھیانہ سے نکالے گئے ہیں۔ یہی حکم عاجز کی نسبت ہوا ہے۔

سو واضح ہو کہ یہ افواہ سراسر غلط ہے۔ ہاں یہ سراسر سچ ہے۔ کہ مولوی محمد حسین بٹالوی اپنی وحشیانہ طرز بحث کی شامت سے لدھیانہ سے شہر بدر کئے گئے۔ لیکن اس عاجز کی نسبت کوئی اخراج کا حکم سرزد نہیں ہوا۔ چنانچہ ذیل میں نقل مراسلہ صاحب ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نقل کی جاتی ہے۔

از پیش گاہ مسٹر ڈبلیو چیوس صاحب لدھیانہ

مرزا غلام احمد رئیس قادیان سلامت

"چٹھی آپ کی مورخہ دیروزہ موصول ملاحظہ و سماعت ہو کر بجوابش تحریر ہے۔ کہ آپ کو بمتابعت و ملحوظیت قانون سرکار لدھیانہ میں ٹھہرنے کے وہی حقوق حاصل ہیں جیسا کہ دیگر رعایا تابع قانون کو حاصل ہیں"

المرقوم ۶ اگست ۱۸۹۱ء دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت اقدس اس افواہ کی تردید کر رہے ہیں۔ کہ آپ کو بھی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح لدھیانہ سے اخراج کا حکم دیا گیا ہے۔ چونکہ آپ کو ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر سے مذکورہ بالا چٹھی کے مطابق لدھیانہ میں ٹھہرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لدھیانہ سے بموجب حکم ڈپٹی کمشنر اخراج

ہو چکا تھا اس لئے حضرت اقدس اس افواہ کی تردید میں یہ کہنے میں
سراسر حق بجانب تھے۔ کہ آپ کے لئے لدھیانہ سے اخراج کا حکم سرزد
نہیں ہوا اس میں جھوٹ کیا ہے؟ اگر اخراج کا حکم آپ کے حق میں بھی
قائم ہوتا۔ تو آپ کو بھی خارج البلد کیا جاتا۔

اب حافظ محمد ابراہیم صاحب کیرپوری بتائیں کہ کیا حضرت اقدس
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح لدھیانہ سے خارج کئے گئے تھے
اگر نہیں جیسا کہ خود ڈپٹی کمشنر صاحب لدھیانہ کی چٹھی سے ظاہر ہے۔ کہ
آپ کو لدھیانہ میں باقاعدہ ٹھہرنے کا حق دیا گیا تھا۔ تو حضرت اقدس
کا اپنے متعلق اس افواہ کی تردید میں کہ آپ کو بھی اخراج از لدھیانہ کا
حکم دیا گیا ہے۔ یہ لکھنا کہ کوئی ایسا حکم سرزد نہیں ہوا۔ جھوٹ کیسے ہوا
آپ کو تو لدھیانہ میں قیام کا باقاعدہ طور پر ڈپٹی کمشنر لدھیانہ کی طرف
سے حق حاصل ہو چکا تھا۔

صرف درمیانی عرصہ میں کسی حکم کا ملنا اور اس پر عملدرآمد ہوئے
بغیر اس کا منسوخ ہو جانا بجز اس کے اور کیا معنے رکھتا ہے۔ کہ آپ کے
متعلق اخراج کا حکم سرزد نہیں ہوا۔ خصوصاً جبکہ یہ فقرہ آپ نے اس
وقت لکھا ہے جبکہ مولوی محمد حسین صاحب کا اخراج البلد وقوع
میں آچکا تھا۔ اور آپ کو لدھیانہ میں قیام کا اختیار مل چکا تھا۔

پس حافظ صاحب کا حضرت اقدس کے اس فقرہ کو جھوٹ
قرار دینا صریح تحکم اور سینہ زوری ہے۔

حافظ صاحب نے اپنے رسالہ میں میر عنایت علی شاہ صاحب
لدھیانوی کی شہادت بھی درج کی ہے۔

کہ پولیس کپتان اور ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے باہمی تجویز کی کہ
ایسا نہ ہو کہ اس مباحثہ کے نتیجہ میں فساد ہو جائے اس لئے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مولوی محمد حسین بٹالوی
کو لدھیانہ سے رخصت کرنے کے لئے ڈپٹی دلاور علی صاحب
اور کرم بخش صاحب مقرر کئے گئے۔ الخ

اس شہادت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ پہلے مولوی
محمد حسین صاحب بٹالوی اور حضرت اقدس دونوں کو لدھیانہ سے رخصت
کرنے کا حکم جاری ہوا تھا۔ لیکن آخر ہوا یہ کہ مولوی محمد حسین صاحب شہر سے
خارج کر دئے گئے۔ اور حضرت اقدس کو آپ کی چٹھی کے جواب میں ڈپٹی کمشنر
صاحب کی طرف سے لدھیانہ میں قیام کی باقاعدہ اجازت دی گئی۔
چنانچہ میر عنایت علی شاہ صاحب کی اس شہادت کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں

"چٹھی جب ڈپٹی کمشنر کے پاس پہنچی تو اس نے اسی وقت
سپرنٹنڈنٹ ضلع کے حوالہ کر دی اور کہا کہ مرزا صاحب مولوی
نہیں رئیس ہیں۔ اسی وقت جواب دیا جائے۔ کہ مرزا صاحب
جب تک چاہیں لدھیانہ میں ٹھہر سکتے ہیں جس پر سپرنٹنڈنٹ نے
سرکاری طور پر چٹھی لکھی۔ اور حضرت اقدس لدھیانہ میں ٹھہر
رہے۔"
(الفضل ۲۴ رجون ۱۹۴۲ء ص ۳)

اس بیان سے ظاہر ہے۔ کہ ہم نے اپنے پہلے جواب میں جو یہ لکھا تھا کہ
انگریز ڈپٹی کمشنر نیا نیا آیا تھا۔ اس کے کارندوں نے مولوی
محمد حسین صاحب کی طرح حضرت اقدس کو بھی ایک مولوی
ظاہر کر کے ڈپٹی کمشنر صاحب سے دونوں کے اخراج کے حکم پر

دستخط لے لئے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کو جب اپنی غلطی کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے کارندوں کو سخت ملامت کی اور حضرت اقدس کے متعلق جو حکم تھا۔ جسے حافظ صاحب باقاعدہ حکم قرار دینا چاہتے ہیں۔ منسوخ کر دیا۔ وہ حکم نافذ نہ ہوا بلکہ ڈپٹی کمشنر نے حضرت صاحب کو لدھیانہ میں ٹھہرنے کے حقوق حاصل ہونے کی سند دی۔"

ہمارا یہ جواب میر عنایت علی شاہ صاحب کی شہادت کے خلاف نہیں۔ بلکہ میر عنایت علی شاہ صاحب کا بیان ہمارے اس جواب کا گونہ مصدق ہے۔ کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کو واقعی پہلے اس بات کا علم نہ تھا کہ حضرت اقدس رئیس قادیان ہیں۔ بلکہ اسے یہی بتایا گیا تھا کہ آپ بھی گویا مولوی محمد حسین بٹالوی کی طرح ایک مولوی ہیں۔ یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چٹھی سے اسے معلوم ہوا کہ آپ مولوی نہیں بلکہ ایک رئیس ہیں۔ اور اس لئے اس نے اپنے پہلے حکم کو جو آپ کو مولوی سمجھ کر دیا گیا تھا۔ منسوخ کر دیا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کا پولیس کپتان کو یہ کہنا کہ مرزا صاحب مولوی نہیں بلکہ رئیس ہیں۔ ایک شریف حاکم کی مناسب سرزنش ہی ہے۔ کہ پہلے مجھے یہ نہ بتایا گیا تھا۔ کہ وہ مولوی نہیں بلکہ رئیس ہیں۔

حافظ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

میرا اعتراض مرزا صاحب کے اس فقرہ پر ہے۔ کہ "مجھے اخراج کا حکم نہیں ملا" اور ڈپٹی کمشنر کی چٹھی مرزا صاحب کی اس درخواست کے جواب میں ہے۔ جو مرزا جی نے اخراج کا حکم

ملنے کے بعد ڈپٹی کمشنر صاحب کو لکھی تھی ...... میں نے دانستہ بکار آید کے پیش نظر اس چٹھی کو نقل نہ کیا تھا۔"

الجواب ہماری رائے میں حافظ صاحب نے ڈپٹی کمشنر صاحب کی چٹھی اور حضرت اقدس مسیح موعود کے سارے بیان کو محض اس لئے نقل نہیں کیا تھا۔ کہ اسے درج کر کے وہ اپنے رسالہ کے پڑھنے والوں کو یہ مغالطہ نہیں دے سکتے تھے۔ کہ مرزا صاحب نے جھوٹ بولا ہے۔ اگر وہ ڈپٹی کمشنر کی چٹھی اور حضرت اقدس کا سارا بیان نقل کر دیتے۔ تو وہ جھوٹ بولنے کا الزام نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر کی چٹھی اور حضرت اقدس کا سارا بیان پڑھ لینے کے بعد ہر شخص خود بخود معلوم کر لیتا کہ حضرت اقدس کا یہ قول کہ میری نسبت اخراج کا حکم سرزد نہیں ہوا۔ اس افواہ کی تردید میں ہے کہ آپ سے بھی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح اخراج از لدھیانہ کے حکم کی تعمیل کرائی جا رہی ہے۔ چونکہ یہ افواہ درست نہ تھی۔ اور اس وقت ڈپٹی کمشنر صاحب کے ایسے حکم کا نفاذ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس وقت تک وہ اپنے حکم کو واپس لے کر آپ کو لدھیانہ میں جتنا عرصہ چاہتے۔ قیام کا اختیار دے چکا تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں آپ اس افواہ کی تردید میں اپنے دوستوں کو یہ بتانے میں حق بجانب تھے۔ کہ آپ کے متعلق اخراج از لدھیانہ کا حکم سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ ایسے حکم کی تعمیل میں صرف مولوی محمد حسین صاحب کو خارج البلد کیا گیا ہے۔ یہ فقرہ جھوٹ تب ہوتا۔ اگر آپ اسے ڈپٹی کمشنر کی طرف سے اپنے لدھیانہ میں قیام کا اختیار مل چکنے سے پہلے تحریر کرتے۔ مگر آپ نے تو ایسا فقرہ اس وقت لکھا۔ جبکہ

پہلا حکم نافذ ہوئے بغیر منسوخ ہو چکا تھا۔ لہٰذا افواہ کی تردید میں کسی پہلے حکم کا ذکر اب بالکل غیر ضروری تھا۔ افواہ تو یہ تھی کہ آپ کو بھی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح لدھیانہ سے خارج کیا جا رہا ہے۔ اور یہ افواہ غلط تھی۔ اس لئے اس کی تردید کر دی گئی۔

پس حافظ صاحب کا حضرت اقدس کے اس فقرہ کو کہ

"اس عاجز کی نسبت کوئی اخراج کا حکم سرزد نہیں ہوا"

جھوٹ قرار دینا جبکہ اس فقرہ کا تعلق ڈپٹی کمشنر صاحب لدھیانہ کی طرف سے قیام کی اجازت مل جانے کے بعد زمانہ سے ہے۔ محض تحکم اور سینہ زوری اور حق پوشی اور ناحق کوشی ہے۔

الزام نہم

حافظ محمد ابراہیم صاحب نے لکھا تھا۔ کہ مرزا جی نے حمامۃ البشریٰ ص۴۴ پر دعویٰ کیا ہے۔ کہ مسیح کے متعلق کسی حدیث میں یہ لفظ نہیں کہ وہ آسمان سے اترے گا۔ ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کے لئے احادیث میں آسمان کا لفظ موجود ہے۔ اور ہم یہ بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کو ان احادیث کا علم تھا۔ اور انھوں نے عمداً غلط بیانی سے کام لیا۔

ہمارا جواب

ہم نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ حافظ محمد ابراہیم صاحب کے پیش کردہ حوالہ کے الفاظ یا ان کا مفہوم حمامۃ البشریٰ ص۲۴۴ اور ص۴۴ پر موجود نہیں۔ البتہ ص۵۴ پر جو الفاظ ملتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

"پھر اس قوم پر سخت تعجب ہے۔ کہ نزول مسیح سے یہی خیال کرتی ہے کہ وہ آسمان سے اترے گا اور آسمان کا لفظ اپنی

طرف سے ایزاد کرتے ہیں۔ اور کسی صحیح حدیث میں اس کا اثر و نشان نہیں"

یہ حوالہ پیش کرنے کے بعد ہم نے لکھا تھا۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام صحیح حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ نہ کہ محض حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب حوالہ میں تحریف اور جعلسازی سے کام لیتے ہوئے حوالہ کے صحیح حدیث کے لفظوں میں سے صحیح کا لفظ اڑا کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضرت اقدس نے لکھا ہے۔ کہ کسی حدیث میں یہ لفظ موجود نہیں ..... حضرت اقدس نے تو صرف صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار کیا ہے۔ نہ کہ محض حدیث میں۔

پس صحیح کا لفظ حافظ محمد ابراہیم صاحب کے سارے اعتراض کی عمارت کو جو حوالہ میں تحریف کر کے انھوں نے کھڑی کی ہے پیوند خاک کر رہا ہے۔

حافظ صاحب کا جواب الجواب

اب اپنے جواب الجواب میں حافظ صاحب لکھتے ہیں:۔

قاضی صاحب اگر بڑھاپے کی وجہ سے نظر جواب نہیں دے گئی۔ تو میرا پیش کردہ حوالہ حمامۃ البشریٰ مطبوعہ سیالکوٹ کے ٹھیک ص۲۴۴ کے حاشیہ کی سطر ۴/۵ اور ص۴۴ کی سطر ۴/۵ میں موجود ہے۔ ایک بار حمامۃ البشریٰ پھر دیکھئے ضرور نظر آ جائے گا۔

الجواب

(۱) میں نے جس حمامۃ البشریٰ کے نسخہ سے ص۵۴ کا حوالہ دیا تھا۔ وہ حمامۃ البشریٰ کا پہلا ایڈیشن ہے۔ جو بطور

حصہ اول معہ ترجمہ ضیاء الاسلام پریس قادیان میں شائع ہوا تھا یا سیالکوٹ کی مطبوعہ حمامۃ البشریٰ اس وقت میرے سامنے نہ تھی۔ اس لئے میں نے لکھا کہ حافظ کا حوالہ حمامۃ البشریٰ کے ص۲۴ اور ص۴۰ پر نہیں ملا۔ البتہ ص۵۴ پر جو عبارت تھی اور جس سے حافظ صاحب کا اعتراض جڑھ سے اکھڑ جاتا تھا۔ وہ میں نے حمامۃ البشریٰ سے پیش کر دی۔ اب میں نے حمامۃ البشریٰ کا سیالکوٹ کا ایڈیشن بھی دیکھا ہے۔ یہ نسخہ منشی غلام قادر صاحب فصیح کے مطبع میں سیالکوٹ میں شائع ہوا تھا اس کے ص۲۴ اور ص۴۰ پر بھی حافظ صاحب کے پیش کردہ الفاظ موجود نہیں بلکہ ص۱۸ پر ان کی پیش کردہ عربی عبارت ملتی ہے۔

نہ معلوم حافظ صاحب کس نسخہ کا حوالہ دے رہے ہیں۔ ممکن ہے یہ لاہوری فریق کا شائع کردہ ہو۔ مگر وہ مجھے نہیں مل سکا۔

حافظ صاحب اپنے جواب الجواب میں حمامۃ البشریٰ کی دو عربی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فرمائیے قاضی صاحب آپ نے اس عبارت کا ترجمہ کیا ہے یا کسی اور کا۔ نیز بتائیے کہ اس عبارت میں صحیح حدیث میں آسمان کے لفظ کی نفی ہے یا مطلق حدیث سے۔ یہ بھی بتائیے کہ آپ نے جسٹ گواہ کا کردار ادا کرتے ہوئے صحیح کی قید کس بنا پر لگائی۔ اور سب سے آخر میں فرمائیے کہ تحریف اور جعلسازی کا کام میں نے کیا ہے۔ یا آپ نے پھر اس کا نتیجہ بھی بتلا دیجئے کہ جب مرزا صاحب کی عبارت میں صحیح کا لفظ موجود نہیں تو پھر الزام صحیح ہوا یا آپ کا جواب؟“

(رسالہ جواب الجواب ص۵۷)

الجواب (۲) اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ میں نے حضرت اقدس کی حمامۃ البشریٰ کی عربی عبارت کا ترجمہ اپنی طرف سے پیش نہیں کیا تھا بلکہ مترجم حمامۃ البشریٰ کا ترجمہ پیش کیا تھا۔ حمامۃ البشریٰ حصہ اول کا یہ نسخہ ضیاء الاسلام پریس قادیان میں شائع ہوا تھا۔ اور عربی کی عبارت کے نیچے اردو میں اس کا ترجمہ بھی ساتھ ہی شائع ہوا تھا اس نسخہ میں جو ترجمہ لکھا تھا میں نے وہ پیش کیا تھا۔ میں نے اس ترجمہ میں خدا کے فضل سے کسی تحریف اور جعلسازی سے کام نہیں لیا تھا۔ بلکہ حضرت اقدس کے اپنے ترجمہ کے الفاظ نقل کئے تھے۔ مصنف اپنے کلام کے معنے خوب سمجھتا ہے۔ پس اس عربی عبارت میں لفظ حدیث کو نکرہ بطور تعظیم استعمال کیا گیا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے اس کا ترجمہ صحیح حدیث کیا ہے۔

حافظ صاحب حمامۃ البشریٰ کا یہ مطبوعہ اور مترجم نسخہ دیکھنا چاہیں۔ تو خلافت لائبریری ربوہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

چونکہ یہ ترجمہ خود حضرت اقدس کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس لئے میں نے جو جواب دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ کہ حضرت اقدس صرف ”صحیح حدیث“ میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ نہ مطلق حدیث میں۔ پس حافظ صاحب نے حمامۃ البشریٰ کی جو عربی عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مسیح کے نزول کے ذکر کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ حضرت اقدس کے اردو ترجمہ کے لحاظ سے صحیح حدیث

میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے ہی انکار ہے مطلق حدیث میں آسمان
کا لفظ موجود ہونے سے آپ کو انکار نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس
تحفہ گولڑویہ صفحہ ۷۵ میں بھی لکھتے ہیں:۔

"کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود
نہیں"

اور ازالہ اوہام میں بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی نہیں"

پس حمامۃ البشریٰ کی عربی عبارت میں بھی صحیح حدیث میں آسمان
کا لفظ موجود ہونے سے آپ کو انکار ہے۔ جیسا کہ آپ کے اپنے ترجمہ سے
ثابت ہے۔ اس صورت میں ان عربی عبارتوں میں جو حافظ صاحب نے
پیش کی ہیں حدیث کا لفظ اصول فقہ کے قاعدہ کے مطابق تحفہ گولڑویہ
اور ازالہ اوہام کی ان دونوں عبارتوں کے رو سے مقید سمجھا جائے گا۔
نہ کہ مطلق یعنی صحیح حدیث کے معنوں میں سمجھا جائے گا۔ نہ کہ صرف
حدیث کے معنوں میں اور ان عربی عبارتوں کا درست ترجمہ اس لحاظ
سے یہی ہوگا۔ کہ کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود
نہیں۔ اسی لئے حضرت اقدس نے ترجمہ میں صحیح حدیث کے الفاظ لکھے
ہیں نہ مطلق حدیث کے۔

حافظ صاحب نے حمامۃ البشریٰ میں حدیث ینزل اخی عیسیٰ
من السماء کے موجود ہونے کا ذکر کر کے الزام دیا ہے کہ دیکھو صحیح
حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہے۔ اس حدیث کو مرزا صاحب جانتے
تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حمامۃ البشریٰ میں حضرت اقدس نے اس حدیث

کو صحیح قرار دیتے ہوئے پیش نہیں کیا۔ بلکہ اس کے الفاظ بیدہٖ حربۃ
کو صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ یضع الحرب کے مخالف قرار دیا
ہے۔ اور اسے مشکوک سمجھتے ہوئے صحیح بخاری کی حدیث کے مقابل
صرف تاویلاً قبول کیا ہے۔

چنانچہ حضور حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸۹ میں اس حدیث کے متعلق تحریر
فرماتے ہیں:۔

أَمَّا قَوْلُهُمْ أَنَّ الْأَحَادِيْثَ تَشْهَدُ عَلٰى أَنَّ عِيْسٰى
يَقْتُلُ الدَّجَّالَ بِحَرْبَةٍ فَنَحْنُ لَا نُسَلِّمُ أَنَّ الْأَحَادِيْثَ
تَدُلُّ عَلَيْهَا بِالْاِتِّفَاقِ بَلِ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ جَاءَ
فِي الْبُخَارِيِّ فِيْ أَمْرِ عِيْسٰى يَعْنِيْ قَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ الْحَرْبَ يَدُلُّ بِدَلَالَةٍ
صَرِيْحَةٍ عَلٰى أَنَّ عِيْسٰى لَا يَقْتُلُ الدَّجَّالَ بِآلَةٍ مِنْ
آلَاتِ الْحَرْبِ وَكَيْفَ يَأْخُذُ حَرْبَةً بِيَدِهٖ مَعَ أَنَّ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ حَقِّهٖ أَنَّهٗ
يَضَعُ الْحَرْبَ۔ فَلَا شَكَّ أَنَّ حَرْبَةَ قَتْلِ الدَّجَّالِ
حَرْبَةٌ رُوْحَانِيَّةٌ مُنَزَّلَةٌ مِنَ السَّمَاءِ كَمَا يَدُلُّ
عَلَيْهِ حَدِيْثٌ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ أَخِيْ عِيْسَى بْنُ

حاشیۃ ع۷: اس حدیث میں سے السماء کا لفظ حدیث میں راوی کی طرف سے
زیادتی سمجھتے ہوئے آپ نے حذف کر دیا ہے پس آپ کسی صحیح حدیث میں
آسمان کا لفظ موجود نہیں مانتے۔

مَرْيَمَ عَلٰى جَبَلِ اَفِيْقٍ اِمَامًا هَادِيًا حَكَمًا عَادِلًا بِيَدِهٖ حَرْبَةٌ يَقْتُلُ بِهِ الدَّجَّالَ فَقَدْ ظَهَرَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَنَّ الْحَرْبَةَ سَمَاوِيَّةٌ لَا اَرْضِيَّةٌ فَالْقَتْلُ اَمْرٌ رُوْحَانِيٌّ لَا جِسْمَانِيٌّ ..... فَحَدِيْثُ وَضْعِ الْحَرْبِ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ يُوْجَدُ فِي الْبُخَارِيِّ وَكُلَّمَا يُخَالِفُهٗ مِنَ الْاَحَادِيْثِ فَهُوَ مَدْسُوْسٌ عَلَيْهِ اَوْ مُؤَوَّلٌ وَالَّذِيْ يُجَادِلُ فِيْ ذٰلِكَ فَقَدْ نَسِيَ هٰذَا الْحَدِيْثَ الَّذِيْ يُوْجَدُ فِيْ كِتَابٍ هُوَ اَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ

(حمامۃ البشریٰ مطبوعہ مطبع غلام قادر فصیح سیالکوٹی) ص ۸۹

ترجمہ:- ان علماء کا یہ قول ہے کہ احادیث اس بات پر شاہد ہیں۔ کہ عیسیٰ دجال کو ایک حربہ سے قتل کرے گا۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ احادیث بالاتفاق اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ وہ حدیث جو بخاری میں عیسیٰ کے متعلق ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یضع الحرب (کہ مسیح لڑائی کو بند کر دے گا) صریح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ عیسیٰ دجال کو کسی جنگی ہتھیار سے قتل نہیں کرے گا۔ وہ جنگی ہتھیار اپنے ہاتھ میں کس طرح لے سکتا ہے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ وہ لڑائی کو روک دے گا۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسیٰ کا دجال کو قتل کرنے کا حربہ روحانی حربہ ہوگا۔ جو آسمان[۵] سے نازل ہوگا۔ جیسا کہ ابن عباس سے مروی حدیث اس پر دال ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرا بھائی عیسیٰ ابن مریم جبل افیق پر نازل ہوگا۔ امام ہادی حکم وعدل کی حیثیت میں اس کے ہاتھ میں ایک حربہ ہوگا۔ جس سے دجال کو قتل کرے گا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ حربہ آسمانی ہوگا نہ زمینی۔ پس قتل دجال بھی ایک روحانی معاملہ ہے۔ نہ جسمانی ..... جنگ روکنے والی حدیث صحیح ہے جو بخاری میں موجود ہے۔ اور جو حدیثیں اس کے مخالف ہیں (جیسے مسیح کے جبل افیق پر نازل ہونے والی حدیث) مدسوس یا مؤوّل ہیں۔ اور جو شخص اس بارہ میں جھگڑتا ہے۔ وہ بخاری کی حدیث کو بھول جاتا ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک بخاری کی حدیث یضع الحرب کے مضمون کے خلاف مضمون رکھنے والی جو حدیثیں ہیں۔ وہ ضعیف ہیں کیونکہ وہ آپ کے نزدیک مدسوس ہیں یا مؤوّل۔ چونکہ اس جگہ زیر بحث حدیث خاص طور پر مد نظر ہے۔ اس لئے آپ کی یہ تنقید اور جرح بتا رہی ہے کہ آپ اس حدیث کو صحیح کے مرتبہ پر نہیں سمجھتے۔ بلکہ ضعیف سمجھتے ہیں اور اس کی تاویل کرتے ہیں۔

پس حافظ صاحب کا کنز العمال کی حدیث ینزل اخی عیسیٰ من السماء علیٰ جبل افیق کو ہمارے سامنے صحیح حدیث کی صورت میں پیش کرنا درست نہیں حضرت اقدس مرزا صاحب حمامۃ البشریٰ کے ترجمہ تحفہ گولڑویہ

حاشیہ[۵]:- گویا تاویلاً روحانی لحاظ سے اس حربہ کا آسمان سے نزول

بقیہ حاشیہ پر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲: قرار دیا ہے۔ نہ جسمانی لحاظ سے اور ساتھ ہی اس حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا۔ بلکہ صحیح بخاری کی حدیث کے بالمقابل اسے مدسوس یا مؤوّل قرار دے کر اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے

اور ازالہ اوہام میں فرما چکے ہیں۔ کہ کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود نہیں ہے۔

پس یہ لفظ آپ کے نزدیک کنز العمال کی حدیث میں کسی راوی نے اپنی طرف سے اپنی سمجھ کے مطابق بطور تشریح کے زیادہ کر دیا تھا۔ اسی لئے آپ نے یہ حدیث حمامۃ البشریٰ میں درج کرتے ہوئے السماء کا لفظ راوی کی زیادتی سمجھتے ہوئے حذف کر دیا ہے۔ کیونکہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نزول کے لفظ کے ساتھ آسمان کا لفظ کسی صحیح حدیث میں مروی نہیں۔ اسی طرح امام بیہقی نے بھی "مِنَ السَّمَاءِ" کا لفظ اپنی حدیث میں نزول کے ذکر کے ساتھ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہوا ہے۔ اس حدیث کے متعلق حوالہ وہ صحیح بخاری کا دیتے ہیں۔ مگر صحیح بخاری کی حدیث میں من السماء کا لفظ ہرگز موجود نہیں۔

محض استدلال سے ہر حدیث صحیح نہیں ہو جاتی

حافظ صاحب کا یہ لکھنا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی دعوۃ الامیر میں فرماتے ہیں:۔ کہ جس حدیث سے حضرت اقدس استدلال کریں۔ ہم اسے درست سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں جبل افیق پر آسمان سے نازل ہونے والی حدیث بھی صحیح ہوئی۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے اس سے استدلال کیا ہے۔ یہ محض ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث کو خود مدسوس یا مؤول قرار دیکر اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

لہٰذا کسی حدیث کو ضعیف سمجھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس سے تاویلاً کوئی استدلال کرنا اسے ہرگز صحیح حدیث نہیں بنا دیتا۔

ہاں اگر آپ نے اس حدیث کو ضعیف نہ سمجھا ہوتا۔ اور محض اس سے استدلال ہی کیا ہوتا۔ تو پھر بے شک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے بیان کے مطابق اسے درست حدیث قرار دیا جا سکتا تھا۔ صحیح پھر بھی نہیں۔ کیونکہ صحیح کا لفظ علم حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ ویسے درست حدیث تو حسن حدیث کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ جو اصطلاحی طور پر صحیح سے کم مرتبہ کی ہوتی ہے۔

پھر ایسی حدیثوں کے متعلق حمامۃ البشریٰ میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ اصول بھی بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَالسَّلَامَةَ كُلَّهَا فِيْ جَعْلِ الْقُرْآنِ
مِعْيَارًا لِمِثْلِ هٰذِهِ الْأَخْبَارِ فَالْقَانُونُ الصَّحِيحُ الْعَاصِمُ
مِنَ الْخَطَاءِ اَنْ نَعْرِضَ كُلَّ قِصَّةٍ عَلَى الْقُرْآنِ
فَاِنْ كَانَ ذِكْرُهَا فِي الْقُرْآنِ اَوْ ذِكْرُ اَمْرٍ
یشا کلھا ولیشا بھھا فیقبل و یومن بہ ویعتقد
عَلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ شَبِيْهُهٗ فِي الْقُرْآنِ لَا فِيْ
هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَلَا فِيْ اُمَمٍ اُخْرٰى بَلْ يُوْجَدُ
فِيْهِ شَيْءٌ يُعَارِضُهٗ فَمِنَ الْوَاجِبِ اَنْ لَا يُقْبَلَ
مِثْلُ هٰذِهِ الْقِصَصِ اِلَّا فِيْ زِيِّ التَّاوِيْلِ فَانْظُرِ
الْاٰنَ بِهٰذَا الْقَانُوْنِ الْعَاصِمِ الَّذِيْ بَلَغَنَا مِنْ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ لِقِصَّةِ
صعود المسیح مع جسمہ العنصری أو
لِقِصَّةِ نُزُوْلِهٖ مِنَ السَّمَاءِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ

عَلٰی جَنَاحَیِ الْمَلَکَیْنِ اَصْلًا اَوْ اَثَرًا فِی الْقُرْاٰنِ
اَوْ قِصَّةٍ مِّمَّا یُشَابِهُ هٰذِهِ الْقِصَّةَ بَلِ
الْقُرْاٰنُ یُنَزِّهُ شَانَ اللّٰهِ عَنْ مِثْلِ تِلْكَ
الْاَفعالِ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا وَیَقُوْلُ قُلْ سُبْحَانَ
رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَسُوْلًا وَاِنَّهٗ خَالَفَ
قِصَّةَ النُّزُوْلِ جَهْرًا بِحَیْثُ ذَکَرَ بِشَارَاتٍ
بَشَّرَ بِهَا الْمَسِیْحَ فِیْ کَلَامِهِ الْمُرَتَّبِ الْمُرَصَّعِ
فَبَلَغَ الْکَلَامَ مِنْ قَوْلِهٖ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ اِلٰی
قَوْلِهٖ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَمَا ذَکَرَ فِیْهِ قِصَّةَ
صُعُوْدِ الْمَسِیْحِ وَلَا نُزُوْلِهٖ وَلَوْ کَانَتْ صَحِیْحَةً
لَذَکَرَهَا فِیْ ضِمْنِ هٰذِهِ الْبِشَارَاتِ فَهٰذَا
دَلِیْلٌ وَاضِحٌ عَلٰی اَنَّ الْفُرْقَانَ مَا صَدَّقَ
تِلْكَ الْقِصَصَ بَلْ کَذَّبَهَا لِذِکْرِهِ الْمَوَاعِیْدَ
وَالتَّبْشِیْرَاتِ لِلْمَسِیْحِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ
وَتَرْکِهٖ تِلْكَ الْقِصَّةَ "

(ص ۳۳/۳۴ حمامة البشریٰ مطبوعہ مطبع منشی غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹ)

ترجمہ:۔ سب خیر اور ساری سلامتی اس قسم کی حدیثوں کے لئے قرآن مجید کو معیار قرار دینے میں ہے۔ پس وہ قانون جو غلطی سے بچانے والا ہے۔ یہ ہے کہ ہم ہر قصہ کو قرآن مجید پر پیش کریں۔ اگر اس کا ذکر قرآن مجید میں ہو۔ یا اس سے ہم شکل اور مشابہ قصہ کا ذکر قرآن مجید میں ہو تو اسے قبول کر لیا جائے۔ اور اس پر ایمان و اعتقاد رکھا جائے۔

اور اگر اس کے مشابہ قصہ قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ اور نہ امت محمدیہ اور پہلی امتوں میں اسکی نظیر موجود ہو۔ بلکہ اس قصہ میں ایسی بات پائی جائے جو قرآن مجید کے مخالف ہو تو واجب ہے۔ کہ ایسے قصوں کو صرف تاویل کے لباس میں قبول کیا جائے۔

پس اس قانون عاصم کی پیروی کرتے ہوئے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے۔ کیا مسیح کے آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ چڑھنے اور اس کے آسمان سے نازل ہونے کے قصہ میں اسطرح کہ وہ دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے آئیں۔ یا اس سے مشابہ قصہ کا بھی کوئی اصل و نشان قرآن مجید میں ملتا ہے؟ بلکہ قرآن مجید تو دنیا میں ان جیسے افعال سے خدا تعالےٰ کی شان کو منزّہ قرار دیتا ہے۔ (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتا ہے) کہ کہہ دو خدا تعالےٰ ان باتوں سے پاک ہے۔ اور میں تو ایک بشر رسول ہوں۔ یقیناً قرآن مجید نے نزول کے قصہ کی علانیہ مخالفت کی ہے۔ اس طرح پر کہ اس نے اپنے مرتب اور مرصع کلام میں ان بشارات کو بیان کیا ہے۔ جو مسیح کے متعلق دیں۔ اور فرمایا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ اس آیت میں نہ مسیح کے آسمان پر چڑھنے کا ذکر ہے۔ نہ اترنے کا۔ اگر یہ قصہ صحیح ہوتا۔ تو خدا ان بشارتوں کے ضمن میں (جو مسیح کے متعلق دیں) اس کا ذکر بھی کرتا۔

پس یہ واضح دلیل ہے کہ قرآن مجید نے ان قصوں کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ خدا نے مسیح کے لئے وعدے اور بشارتیں قیامت کے دن تک کے لئے بیان کر دی ہیں اور اس قصہ (آسمان پر چڑھنے

اور اترنے) کو ترک کر دیا ہے۔

حمامۃ البشریٰ کی اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک کسی حدیث میں مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کا ذکر اس حدیث کے مخالف قرآن ہونے کی وجہ سے حجت نہیں۔ اور ایسی حدیث میں آسمان کا لفظ ضرور راوی کی زیادتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس ضعف کی وجہ سے کہ یہ مخالف قرآن ہے صرف تاویلاً ہی قبول کی جا سکتی ہے۔ نہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے پھر اس کتاب میں آگے صفحہ ۳۴ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ اعْلَمْ أَيَّدَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّ عَقِيْدَةَ نُزُوْلِ الْمَسِيْحِ مِنَ السَّمَاءِ مَعَ عَدَمِ ثُبُوْتِهٖ مِنَ النُّصُوْصِ الْقُرْآنِيَّةِ وَمُخَالِفَةِ الْقُرْآنِ فِيْهَا يَضُرُّ عَقَائِدَ التَّوْحِيْدِ وَيُرْبِيْ عَقَائِدَ قَوْمٍ أَهْلَكُوا النَّاسَ بِمِثْلِ هٰذِهِ الْقِصَصِ فَإِنَّهٗ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْأَمْرُ الْحَقُّ أَنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ كَإِخْوَانِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ بَلْ هُوَ حَيٌّ مَوْجُوْدٌ فِي السَّمَاءِ وَمَعَ ذَالِكَ كَانَ يَخْلُقُ الطُّيُوْرَ كَمِثْلِ خَلْقِ اللّٰهِ وَيُحْيِي الْأَمْوَاتَ كَإِحْيَاءِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فَأَيُّ ابْتِلَاءٍ أَعْظَمُ مِنْ هٰذَا لِلَّذِيْنَ يُدْعَوْنَ إِلَى الرُّبُوْبِيَّةِ الْمَسِيْحِ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ الَّذِيْ تَتَمَوَّجُ فِيْهِ فِتَنُ النَّصَارٰى مِنْ كُلِّ جِهَةٍ وَيُجَاهِدُوْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَجَمِيْعِ مَكَائِدِهِمْ لِيُضِلُّوا النَّاسَ وَيَجْعَلُوْهُمْ مِنَ الْمُتَنَصِّرِيْنَ۔

ترجمہ:۔ پھر خدا تعالیٰ تمہاری تائید کرے۔ جان لو کہ مسیح کے آسمان سے

نزول کا قصہ نصوص قرآنیہ سے عدمِ ثبوت اور قرآن مجید کے مخالف ہونے کے ساتھ توحید کے عقائد کو بھی نقصان رساں ہے۔ اور ان لوگوں (عیسائیوں) کے عقائد کا موید ہے۔ جنہوں نے ان جیسے عقائد سے ایک قوم کو ہلاک کر دیا۔ کیونکہ اگر یہی درست ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دوسرے نبیوں کی طرح وفات نہیں پائی۔ بلکہ وہ زندہ آسمان میں موجود ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ خدا تعالیٰ کی طرح پرندوں کے خالق۔ اور رب العالمین کی طرح مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ تو اس سے بڑی ابتلاء ان لوگوں کے لئے کیا ہو سکتی ہے جن کو اس زمانہ میں مسیح کو رب ماننے کی دعوت دی جاتی ہے جس زمانہ میں کہ عیسائیوں کے فتنوں کی ہر طرف سے لہریں اُٹھ رہی ہیں اور وہ اپنے اموال اور تمام حیلے لوگوں کو گمراہ کرنے اور عیسائی بنانے میں صرف کر رہے ہیں۔

پس ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک مسیح کے آسمان سے اترنے کے لفظ پر مشتمل کوئی حدیث حجت نہیں کیونکہ ایسی حدیث مخالف قرآن مجید ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور صرف تاویلاً قبول کی جا سکتی ہے۔ پس کنز العمال کی حدیث ینزل اخی عیسیٰ من السماء کو خود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ان وجوہ سے ضعیف ہونے کی وجہ سے) اپنے ظاہری الفاظ میں قابل حجت نہیں سمجھتے۔

تو آپ کے اس حدیث سے اپنے مسلک کے مطابق محض تاویلاً استدلال کرنے کی بنا پر اسے صحیح حدیث قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسی حدیثوں کو مدلس یا ماوّل سمجھتے ہیں۔ گویا ان کو ضعیف خیال کرتے ہیں۔ اور اپنے مسلک کے مطابق انہیں صرف

تاویلاً قبول کرتے ہیں۔

اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث سے محض استدلال ہی کیا ہوتا۔ اور اس حدیث کی حیثیت کے متعلق کوئی مخالفانہ خیال ظاہر نہ کیا ہوتا تو پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز کے قول کے مطابق اس حدیث کو درست حدیث قرار دیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسکی صحت کو مشکوک قرار دے چکے ہیں۔ تو حافظ صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز کی یہ تحریر کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

عبارتوں میں تناقض کے متعلق حافظ صاحب کا ایک اعتراض

حافظ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عبارت آئینہ کمالات اسلام سے پیش کی ہے۔ جس سے مقصود ان کا یہ ہے۔ کہ حمامۃ البشریٰ میں تو آپ لکھتے ہیں کہ حدیث میں مسیح کے متعلق آسمان سے نازل ہونے کا لفظ موجود نہیں۔ لیکن دوسری جگہ آئینہ کمالات اسلام صہ ۴۲۰ میں لکھتے ہیں۔ کہ

"چونکہ اس اترنے والے (مرزا صاحب) کو یہ موقعہ نہ ملا وہ کچھ روشنی زمین والوں سے حاصل کرتا یا کسی کی بیعت یا شاگردی سے فیضیاب ہوتا۔ بلکہ اس نے جو کچھ پایا آسمان والے خدا سے پایا اس لئے اس کے حق میں نبی معصوم کی پیشگوئی میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ کہ وہ آسمان سے اُترے گا" یہ عبارت درج کرکے حافظ صاحب لکھتے ہیں۔

مرزائی دوستو! ہم نے لاہوری ایڈیٹر اور لائلپوری فاضل کا

مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ نزول مسیح کے سلسلہ میں احادیث میں آسمان کا لفظ موجود ہے۔ اور مرزا صاحب کو اس کا علم بھی تھا اور انھوں نے احادیث میں آسمان کے لفظ کا انکار کرکے عمداً غلط بیانی کی اور خلقِ خدا کو فریب دینے کی کوشش کی۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کے اس نوٹ سے ظاہر ہے۔ کہ وہ حضرت اقدس کی کتاب حمامۃ البشرےٰ اور آئینہ کمالات اسلام کی دو عبارتوں میں تناقض قرار دیکر یہ نتیجہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت اقدس نے معاذ اللہ حمامۃ البشرےٰ کی عبارت میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ یعنی حمامۃ البشرےٰ میں تو حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں آسمان کا لفظ حدیث میں موجود ہونے کا اقرار کیا ہے۔

اعتراض کا جواب

اس کے جواب میں عرض ہے کہ حافظ صاحب نے آئینہ کمالات اسلام کی عبارت کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ حالانکہ دونوں کتابوں کی عبارتوں میں درحقیقت کوئی اختلاف و تناقض موجود نہیں۔ کیونکہ حمامۃ البشرےٰ میں تو صحیح حدیث میں آنے والے مسیح موعود کے ذکر میں نزول کے ذکر کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار کیا ہے اور اس جگہ یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ مخالفین کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے نازل ہونے کی پیشگوئی پر زور دینا درست بات نہیں۔ جبکہ مسیح کے نزول کے ذکر کے ساتھ کسی صحیح حدیث میں آسمان کا لفظ موجود نہیں۔

اور آئینہ کمالات اسلام کی ذیل کی عبارت میں کہ "اس کے (مسیح موعود) حق میں نبی معصوم کی پیشگوئی میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ وہ آسمان سے اتریگا،" آسمان سے اترنا مجازی مفہوم میں یعنی آسمانی فیوض پانے کے معنوں میں مُراد لیا ہے۔ کیونکہ مسیح موعود کے لئے حدیثوں میں مثلاً صحیح بخاری کی حدیث میں کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم کے جو الفاظ آئے ہیں ان میں نَزَلَ کا لفظ مسیح موعود کے لئے استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ نزول سے مشتق ہے اور اپنے لغوی معنوں میں اوپر سے نیچے اترنے کے معنی ہی دیتا ہے۔ گو مجازاً اسکے اور معنی ہیں۔ پس یہ لفظ بظاہر تو مسیح موعود کے آسمان سے اترنے پر دال ہے۔ مگر مجازاً اس نزول سے مراد مسیح موعود کا روحانی اور معنوی طور پر آسمان سے اترنا ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے ہوئے حضرت اقدس نے لفظ نَزَلَ سے مسیح موعود کا آسمان سے معنوی طور پر اترنا ہی منشاء حدیث قرار دیا ہے۔ چنانچہ محولہ بالا عبارت سے پہلے آپ تحریر فرماتے

اس اترنے والے (مسیح موعود) کو یہ موقعہ نہ ملا وہ کچھ روشنی زمین والوں سے حاصل کرتا۔ یا کسی کی بیعت یا شاگردی سے فیضیاب ہوتا۔ بلکہ اس نے جو کچھ پایا آسمان والے خدا سے پایا"

اس کے بعد یہ زیر بحث عبارت ہے۔ کہ

اس لئے اس کے حق میں نبی معصوم کی پیشگوئی میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ وہ آسمان سے اترے گا۔

گویا مسیح موعود کا آسمان سے فیض پانا اس کا مجازی طور سے آسمان سے اترنا ہے۔ خود حافظ محمد ابراہیم صاحب صحیح بخاری کی حدیث

اذا نزل ابن مریم فیکم کے لفظ نَزَلَ سے مسیح موعود کا آسمان سے اترنا ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث میں آسمان کا لفظ مذکور نہیں اسیطرح صحیح مسلم کی نواس بن سمعان سے مروی حدیث کے الفاظ کہ مسیح دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے دو زرد چادروں میں نازل ہوگا سے بھی حیات مسیح کے قائلین یہی سمجھتے ہیں کہ مسیح خاکی جسم کیساتھ آسمان سے اترے گا چنانچہ حافظ صاحب اس حدیث کے یہ معنی اپنے رسالہ میں مان چکے ہیں۔ کہ مسیح آسمان سے اترے گا۔ حالانکہ اس حدیث کے متعلق انہیں خود مسلم ہے کہ اس میں آسمان کا لفظ موجود نہیں۔

ہاں مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک ایسی حدیثوں میں مسیح موعود کے نزول یعنی آسمان سے اترنے سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ آسمانی فیض سے فیضیاب ہوگا۔ اور ملائکہ اس کی تائید میں ہوں گے۔ گویا نَزَلَ (آسمان سے اتریگا) کا لفظ حدیث میں مسیح موعود کے لئے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ اس حدیث کے الفاظ وامامکم منکم کہ وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا نزل کے لفظ کے مجازی معنوں میں استعمال کے لئے ایک قوی قرینہ ہیں۔

پس حدیث کی پیشگوئی میں چونکہ لفظ نزول یا دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھکر نزول کا ذکر موجود ہے جس کے ظاہری معنی آسمان سے اترنا سمجھے جاتے ہیں۔ مگر مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ مسیح موعود آسمانی فیض سے فیضیاب ہوگا۔ اس لئے حضرت اقدس کا آئینہ کمالاتِ اسلام میں یہ قول بھی اپنی جگہ درست ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں مسیح موعود کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں کہ وہ آسمان سے اتریگا۔ گویا مسیح موعود کے آسمان سے اترنے سے آپ کو انکار نہیں۔ بلکہ انکار آپ کو صرف

اس بات سے ہے کہ کسی صحیح حدیث میں مسیح موعود کے لئے نزول کے ذکر کے ساتھ آسمان کا لفظ بھی موجود ہے۔ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاکی جسم کے ساتھ آسمان سے اترنے کا احتمال پیدا ہو سکتا ہو۔

خالی نزول کا لفظ تو مجازاً عام طور پر آسمانی فیوض کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا مسیح موعود کیلئے بھی محض نزول (آسمان سے اترنا) کا لفظ مجازی استعمال ہے۔ اس کے معنے آسمان سے اترنا تعبیر طلب ہیں اور مراد یہ ہے کہ مسیح موعود آسمانی فیوض سے فیضیاب ہوگا۔ پس حمامتہ البشریٰ اور آئینہ کمالات اسلام کی دونوں تحریروں میں کوئی تناقض اور اختلاف موجود نہیں۔ کیونکہ حمامتہ البشریٰ میں صحیح حدیث میں لفظ نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہونے کی نفی ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایسے الفاظ تسلیم کئے گئے ہیں۔ جن سے استعارہ اور مجاز کے طور پر مسیح موعود کا آسمان سے اترنا مراد ہے یعنی یہ اترنا معنوی اور روحانی طور پر اترنا ہے۔ نہ کہ کسی مسیح کا خاکی جسم کے ساتھ آسمان سے اترنا۔ پھر آسمان کا لفظ صحیح حدیثوں میں موجود ہونے سے انکار۔ آپ نے صرف حمامتہ البشریٰ میں ہی نہیں کیا۔ بلکہ ازالہ اوہام اور تحفہ گولڑویہ میں بھی یہ انکار موجود ہے۔ چنانچہ حضور ازالہ اوہام میں دمشقی حدیث کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:۔ کہ

آسمان سے اترنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ سچ مچ خاکی وجود سے آسمان سے اترے۔ بلکہ صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی موجود نہیں اور یوں تو نزول کا لفظ عام ہے...

...ماسوا اس کے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں صاف

فرما دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان ہی سے اترے ہیں۔ بلکہ ایک جگہ فرمایا کہ لوہا بھی ہم نے آسمان سے اتارا ہے

پس صاف ظاہر ہے کہ یہ آسمان سے اترنا اس صورت میں اس رنگ کا نہیں جس صورت پر لوگ خیال کرتے ہیں۔

دیکھئے اس عبارت میں حضرت اقدس نے مسیح کا آسمان سے اترنا از روئے حدیث تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کی دلالت سچ مچ خاکی وجود کے ساتھ آسمان سے اترنا تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک صحیح حدیثوں میں آسمان کا لفظ موجود نہیں ہے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس جگہ جو تشریح کی گئی ہے اس کے لحاظ سے حضرت اقدس کی دونو زیر بحث عبارتوں میں درحقیقت کوئی اختلاف موجود نہیں بلکہ حقیقۃً حمامۃ البشریٰ اور آئینہ کمالات اسلام کی عبارتیں الگ الگ نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے لکھی گئی ہیں حضرت اقدس حمامۃ البشریٰ کے علاوہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۷۴، ۷۵ میں بھی تحریر فرماتے ہیں۔

”کسی صحیح حدیث میں مسیح موعود کے لئے نزول کے لفظ کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود نہیں“

پس حضرت اقدس کو اس بات سے ہر جگہ انکار ہے کہ صحیح حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہے۔ ہاں مسیح موعود کے لئے نزول کے لفظ سے آپ اسکا استعارہ اور مجاز کے رنگ میں معنوی طور پر آسمان سے اترنا منشائے حدیث ضرور سمجھتے ہیں جس سے مراد آپ کی یہ ہے کہ وہ آسمانی فیوض سے فیضیاب ہونے والا تھا۔ اس لئے اس کی آمد کی خبر نزول کے لفظ سے دی گئی۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ

اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا کے الفاظ مذکور ہونے کی وجہ سے لفظ نزول سے حضرت مسیح موعود آپ کا آسمان سے اترنا ہی مراد لیتے ہیں۔ مگر معنوی اور روحانی طور پر نہ جسمانی طور پر چنانچہ ازالہ اوہام کی محولہ بالا عبارت میں آپ نے لکھا ہے۔ کہ

”قرآن شریف میں صاف فرما دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان سے اترے ہیں“

اور اسی طرح قرآن شریف میں اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ الآیۃ میں نزول کے لفظ کی وجہ سے ہی یہ لکھا ہے۔ کہ

”بلکہ ایک جگہ فرمایا کہ لوہا بھی ہم نے آسمان سے اتارا ہے“

حضرت اقدس کی ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے۔ کہ ان دونو آیتوں میں لفظ نزول آپ کے نزدیک استعارۃً آسمان سے اترنے پر دال ہے۔ یعنی اس کی دلالت معنوی طور پر آسمان سے اترنے پر ہے۔

اسی طرح اس لفظ نزول کی دلالت مسیح موعود کے متعلق حضرت اقدس کے نزدیک اس رنگ کی نہیں جس رنگ میں حافظ صاحب اور ان کے ہمخیال علماء سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام خاکی جسم کے ساتھ آسمان سے اتریں گے۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آسمان سے اترنے کے رنگ میں ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔

”پس صاف ظاہر ہے کہ یہ آسمان سے اترنا اس صورت اس رنگ کا نہیں جس صورت میں وہ لوگ خیال کرتے ہیں“ (ازالہ اوہام)

پس جس طرح ازالہ اوہام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور لوہے کے متعلق قرآن شریف میں انزل اللہ اور انزلنا کے الفاظ سے آپ نے آسمان سے اترنا مراد لیا ہے۔ یعنی مجازاً اور استعارۃً کے طور پر آسمان سے اترنا ایسے ہی مسیح موعود کے لئے احادیث صحیحہ میں نزول کے لفظ سے آپ نے آسمان سے اترنے کی پیشگوئی استعارۃً قرار دی ہے۔

پس جس طرح قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق انزلنا کے لفظ سے آپ کا آسمان سے اترنا روحانی اور معنوی طور پر اترنا ہے۔ یعنی آپ کا فیوض آسمانی سے فیضیاب ہونا مراد ہے۔ اسیطرح مسیح موعود کے لئے بھی نبی معصوم کی حدیث میں نزول کے لفظ سے حضرت مرزا صاحب نے آسمان سے روحانی اور معنوی طور پر اترنا سمجھا ہے یعنی یہ مراد لیا ہے کہ مسیح موعود بھی آسمانی فیوض و برکات سے فیضیاب ہوگا

ظاہری اختلاف کی مثالیں

آئینہ کمالات اسلام اور حمامۃ البشریٰ کی عبارتوں میں جس قسم کا ظاہری اختلاف محض سطحی نظر سے حافظ صاحب کو دکھائی دیتا ہے۔ اسی قسم کا ظاہری اختلاف تو خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حالانکہ درحقیقت قرآن مجید میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کا دعوےٰ ہے لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔ کہ اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو وہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ مگر اس کے باوجود معترض کہتے ہیں۔

اوّل:۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (النجم ع۱) کہ تمہارا ساتھی نہ ضال (گمراہ) ہوا ہے اور نہ بھٹکا ہے۔ لیکن دوسری جگہ آپ کو مخاطب کر کے قرآن مجید میں وارد ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (الضحیٰ)

کہ خدا نے تجھے ضال پاکر ہدایت دی۔ گویا ایک آیت میں آپ کے ضال ہونے کی نفی ہے۔ اور دوسری میں ضال ہونے کا اثبات

دوم:۔ وہ کہتے ہیں۔ ایک جگہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (سورہ قصص ع۶) کہ تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے۔ اور دوسری آیت میں وارد ہے۔ اِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورہ شوریٰ ع۵) کہ تم ضرور سیدھے راستے کی ہدایت دیتے ہو۔ گویا ایک آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہادی ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اور دوسری آیت میں ہادی ہونے کا اثبات ہے۔

سوم:۔ سورہ نساء رکوع ۱۰ میں ایک آیت میں منافقین کے ذکر میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ کہ اگر انھیں سکھ پہنچتا ہے۔ تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر انھیں دکھ پہنچتا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ یہ (اے نبی) تیری طرف سے ہے۔ خدا تعالےٰ ان کی تردید میں فرماتا ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہہ دو سب سکھ دکھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ بات کو سمجھنے کے قریب نہیں آتے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ منافقوں کے اس قول کو خدا نے رد کیا ہے۔ کہ دکھ نبی کی طرف سے آتا ہے۔ لیکن اس کے بعد اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ تجھے جو سکھ پہنچتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اور جو دکھ پہنچتا ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔ اور ہم نے تجھے لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اب بظاہر ان دونو آیتوں میں بھی اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن درحقیقت اس قسم کی تمام آیات میں کوئی حقیقی اختلاف موجود نہیں بلکہ معترضین اسلام کو ان آیات کا سطحی نگاہ سے مطالعہ کرنے کی وجہ سے ان میں اختلاف نظر آرہا ہے۔ ورنہ پہلی مثال میں جن معنوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ضال ہونے کی نفی ہے۔ انھیں معنوں میں ضال ہونے کا اثبات نہیں کیونکہ دوسری آیت میں ضال سے مراد گمراہ نہیں۔ بلکہ متلاشی حق یا عاشق صادق مراد ہے۔ اور متلاشی حق یا عاشق صادق حقیقی ضال نہیں ہوتا۔ بلکہ اسپر صرف مجازاً ضال کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔

پس پہلی آیت میں حقیقۃً ضال ہونے کی نفی ہے۔ اور دوسری میں مجازاً ضال ہونے کا اثبات

دوسری مثال میں جو آپ کے ہادی ہونے کی نفی ہے۔ یہ دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذاتی لحاظ سے ھادی ہونے کی نفی ہے۔ کیونکہ دراصل ہدایت تو خدا کی ہی طرف سے آتی ہے۔ اور دوسری آیت میں جہاں آپ کے ہادی ہونے کا اثبات ہے۔ وہاں یہ مراد ہے کہ آپ بالواسطہ یعنی خدا سے فیض پاکر ھادی ہیں۔ پس آپ کے ھادی ہونے کی نفی اور وجہ سے ہے۔ اور ھادی ہونے کا اثبات دوسرے پہلو سے ہے۔

تیسری مثال میں منافقوں نے اپنے سکھ کو خدا کی طرف اور اپنے دکھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا تھا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے علت العلل ہونے سے انہیں سب سکھ دکھ خدا کی طرف سے قرار دینا چاہیئے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن نہیں کرنا چاہیئے تھا اور جس نقطہ نگاہ کو خدا تعالیٰ نے اختیار کر کے کہا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچنے والا سکھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور دکھ ان کے نفس کی طرف سے

یہ ایک دوسرا نقطہ نگاہ ہے۔ منافقین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کے طور پر اپنے دکھوں کو ان کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ مگر جو نقطہ نگاہ خدا تعالیٰ نے اختیار کیا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی طعن مدنظر نہیں۔ بلکہ اس میں یہ ادب سکھایا ہے کہ دکھ کو ہمیشہ اپنے نفس کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ رسول پر الزام نہیں دینا چاہیئے کیونکہ رسول پر الزام دینا دراصل خدا پر الزام دینا ہے۔ جو رسول کا بھیجنے والا ہے۔

پس جب ایسی آیتوں میں جن میں دشمنانِ اسلام تناقض دکھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علمائے اسلام مختلف توجیہات سے تطبیق دیتے ہیں۔ یا قرائن سے کام لیکر ان آیات کو حل کرتے ہیں۔ تو اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حمامۃ البشریٰ ازالہ اوہام اور تحفہ گولڑویہ کی عبارتوں کا آئینہ کمالات اسلام کی عبارت سے کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ دونوں جگہ الگ الگ نقطہ نگاہ اختیار کیا گیا ہے لہذا دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ کیونکہ

حمامۃ البشریٰ وغیرہ میں صحیح حدیثوں میں نزول کے لفظ کیساتھ آسمان کا لفظ موجود ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں اس نفی کا اثبات نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق خود لفظ نزول کے استعمال سے اس کا معنوی اور روحانی طور پر آسمان سے اترنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی قرار دیا گیا ہے۔

پس جب دونوں قسم کی عبارتیں الگ الگ اعتبار سے ہیں۔ تو ان میں کوئی حقیقی اختلاف موجود نہیں۔

حافظ صاحب حکمت کے اس قول کو یاد رکھیں۔ کہ

لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ

الزام دہم حافظ محمد ابراہیم صاحب نے اپنے اشتہار میں یہ لکھا تھا۔ کہ مرزا جی نے اپنی کتاب کشتی نوح ص۶ پر ڈپٹی عبداللہ آتھم والے الہام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

پیشگوئی میں یہ بیان تھا۔ کہ فریقین (مرزا اور آتھم) میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔"

"ہم واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور غلط بیانی سے کام لیا ہے اگر کوئی احمدی اصل الہام سے یہ الفاظ دکھا دے تو ہم ہر سزا اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔

الجواب چونکہ کشتی نوح کی اس عبارت میں "پیشگوئی میں یہ بیان تھا"

کے الفاظ مذکور تھے۔ اور بیان کا لفظ وسیع معنی رکھتا ہے۔ جو مفہوم اور تشریح کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس لفظ کو وسیع معنوں میں لیکر ہم نے اصل الہام سے یہ مضمون و مفہوم اپنے جوابی رسالہ میں اس طرح ثابت کر دیا۔ کہ اصل الہام کی عبارت یہ ہے۔

" اس بحث میں دونو فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ھاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ہوگی۔

(تذکرہ ایڈیشن جدید صـ۲۳۹)

الہام کی یہ عبارت پیش کرنے کے بعد ہم نے لکھا تھا۔ کہ اس پیشگوئی سے ظاہر ہے۔ کہ دونوں فریقوں یعنی حضرت اقدس اور عبداللہ آتھم میں سے جو فریق عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ اسے پندرہ ماہ کے اندر مر کر دوزخ میں پڑنا ہوگا۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو دونوں میں سے سچے خدا کو مان رہا ہے۔ اسے اس کے بالمقابل پندرہ ماہ میں نہیں مرنا چاہیئے۔ بلکہ زندہ رہنا چاہیئے۔ تا اس کی عزت ظاہر ہو۔ عبداللہ آتھم حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو خدا بنا رہا تھا۔ لہٰذا پیشگوئی کا مفاد یہ ہوا۔ کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے تو حضرت اقدس کی زندگی میں اسے پندرہ ماہ کے اندر مرجانا چاہیئے

جب موت یا عذاب کی پیشگوئی دو فریقوں کے درمیان جھوٹ اور سچ کا معیار ہو۔ اور بتایا گیا ہو۔ کہ جھوٹے کو اس طرح ذلت پہنچے گی۔ اور سچے کی عزت ظاہر ہوگی۔ تو صاف ظاہر ہے کہ صرف جھوٹے پر موت اور عذاب آنا چاہیئے۔ اور سچے کو اس موت یا عذاب سے جو پیشگوئی میں بیان کیا گیا ہے۔ ضرور بچ جانا چاہیئے۔ تاکہ سچ اور جھوٹ میں امتیاز قائم ہو۔ حافظ صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ کافروں کے حق میں انذار کی پیشگوئیاں یا شکست کی پیشگوئیاں مومنوں کے لئے بشری کی پیشگوئیاں بنتی ہیں اور شکست کی بجائے فتح کی بشارت ہوتی ہیں۔

ہماری اس تشریح سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت اقدس کی وہ عبارت جس کا حوالہ حافظ صاحب نے کشتی نوح سے دیا ہے۔ سراسر سچ ہے اس میں نہ کوئی فریب دیا گیا ہے اور نہ غلط بیانی کی گئی ہے۔ بلکہ پیشگوئی کا مفاد یہ ضرور ہے۔ کہ دونوں فریقوں میں سے جھوٹا سچے کی زندگی میں مرے گا۔

ہاں جب عبداللہ آتھم نے رجوع کی شرط سے فائدہ اٹھایا اور بچ گیا۔ مگر رجوع کرنے کا اپنی زبان سے اقرار کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ تو حضرت اقدس نے اسے اس بات پر قسم کھانے کے لئے کہا کہ اس نے رجوع نہیں کیا۔ لیکن آتھم قسم کھانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ تب فیصلہ کے لئے آپ کو دوسرا الہام ہوا جس کا مفاد یہ ہے کہ اگر آتھم اس دعویٰ میں سچا ہے کہ اس نے رجوع نہیں کیا تو وہ عمر پائے گا۔ اور اگر جھوٹا ہے تو جلد مرجائے گا۔ اس پر حضرت اقدس نے چار ہزار روپے کا انعامی

اشتہار دیا۔ اور اس میں لکھا کہ:۔

"اب اگر آتھم صاحب قسم کھالیں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر مبرم ہے اور اگر قسم نہ کھائیں تو پھر بھی خدا تعالےٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفاء کرکے دنیا کو دھوکا دینا چاہا ..... اور وہ دن نزدیک ہیں دور نہیں۔"

(اشتہار انعامی چار ہزار روپے ص۱۱)

ڈپٹی عبد اللہ آتھم نے قسم کھاکر چار ہزار روپیہ نہ لیا اور سات ماہ کے اندر اس پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوگیا۔

حافظ محمد ابراہیم نے جواب الجواب کے طور پر جو کتابچہ شائع کیا ہے اس میں ہمارے جواب پر جرح کرنے سے پہلے قریباً نو صفحات اس پیشگوئی پر محض ضمنی اعتراضات لکھ کر سیاہ کئے ہیں۔

یہ اعتراضات ان کے اصل اعتراض سے غیر متعلق ہیں۔ مگر انہیں لکھ کر وہ اپنی جرح کی کمزوری کو ان ضمنی اعتراضات کے پردہ میں چھپانا چاہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے ان کو خود یہ احساس تھا کہ ان کی جرح نہایت پھسپھسی ہے۔ مگر ہم اس جگہ ان کے ضمنی اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے ان کی ہمارے جواب پر جو اصل جرح ہے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ اصل بحث خبط نہ ہوجائے کیونکہ ان کی اس جرح کا ہی ہمارے جواب سے براہ راست تعلق ہے۔

ہمارے جواب پر حافظ صاحب کی جرح

ہمارے جواب پر حافظ صاحب کی جرح اور تنقید یہ ہے

(۱) "ہم (حافظ صاحب ناقل) نے اس فقرہ کو مرزا جی کا جھوٹ اور فریب قرار دیا تھا۔ کیونکہ اصل الہام میں مرزا جی کی موت و حیات کا اشارہ تک نہیں۔ وہ جب چاہے مریں جتنا عرصہ چاہیں زندہ رہیں حضرت آتھم کا پندرہ ماہ میں مرنا ضروری ہے۔ لیکن اس عبارت میں فریقین کی موت میں تقدیم و تاخیر کی نسبت پیدا کرکے عبارت میں تحریف کردی۔"

(۲) "ملہم کی عزت اس میں نہیں کہ دشمن اس کے سامنے مرے بلکہ اصل عزت یہ ہے کہ اس کے الہام کے مطابق مرے۔"

جرح کا جواب

حافظ صاحب کی اس جرح کے جواب میں عرض ہے (۱) کہ بیشک عام حالات میں ملہم کی عزت پر اپنے دشمنوں کے سامنے وفات پانے میں کوئی حرف نہیں آتا۔ لیکن جب پیشگوئی اس رنگ کی ہو۔ کہ دونو فریقوں میں حق و باطل میں امتیاز کے لئے دونوں میں سے جھوٹے کے لئے ایک خاص مدت میں مرنے کی پیشگوئی ہو اور اس کے بالمقابل سچے کے لئے عزت پانے کی پیشگوئی ہو۔ تو صاف ظاہر ہے کہ سچے کو جھوٹے کے بالمقابل اس عرصہ میں موت سے ضرور بچنا چاہیے۔ تا واضح طور پر ثابت ہوجائے۔ کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے۔ ورنہ اگر دونو مدت معین کے اندر وفات پاجائیں۔ تو امتیاز قائم نہیں رہ سکیگا۔ اور لوگ نہیں جان سکیں گے۔ کہ اس روحانی مقابلہ میں دونوں مرنے والوں میں سے کون سچا ثابت ہوتا ہے اور کون جھوٹا۔

حافظ صاحب نے اپنی جرح میں حضرت اقدس کے ذیل کے الفاظ بھی جنگ مقدس کے آخری صفحہ سے کر اپنی کتاب کے ص۲۷ میں

درج کئے ہیں۔ اگر وہ حسن نیت سے ان الفاظ پر ہی غور کرتے تو ہمارے جواب پر کبھی ایسی غیر معقول جرح نہ لکھتے۔ وہ عبارت درج ذیل ہے۔
ضرور لکھتے ہیں:-

آج رات خدا کی طرف سے یہ امر کھلا ہے (یعنی الہام ہوا ہے) "کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ پندرہ ماہ تک ھاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی۔ اور جس وقت یہ پیشگوئی ظہور میں آئیگی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاویں گے۔ اور لنگڑے چلنے لگیں گے۔ اور بعض بہرے سننے لگیں گے .... میں اس وقت اقرار کرتا ہوں۔ کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ میں بسزائے موت ھاویہ نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے ذلیل کیا جائے روسیاہ کیا جائے میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے مجھکو پھانسی دی جائے۔ میں ہر سزا اٹھانے کو تیار ہوں"

اس عبارت کے خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے نزدیک آپ اور عبد اللہ آتھم دونو میں سے جو جھوٹا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ اسے پندرہ ماہ تک بسزائے موت ھاویہ میں پڑنا چاہیئے یہ صورت اس کی شکست اور عذاب کی ہے اور اس کے بالمقابل حسب پیشگوئی جو دونو میں سچا ہے۔ اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اسے اس عرصہ میں نہیں مرنا چاہیئے

تا اس کی عزت ظاہر ہو۔ کیونکہ اگر وہ بھی مدت معینہ کے اندر دوسرے فریق کے بالمقابل اسی مدت میں مر جائے تو پیشگوئی جھوٹی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پیشگوئی کے الفاظ اس جگہ یہ ہیں۔

ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ پندرہ ماہ تک ھاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور جو شخص سچ پر ہے۔ اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی۔ اب اگر اس مدت میں دونو مر جائیں تو اس روحانی مقابلہ سے یہ ثابت نہ ہو سکے گا۔ کہ دونوں میں سے کسی کا عقیدہ خدا تعالیٰ کے نزدیک درست ہے۔ کیونکہ اس صورت میں پیشگوئی کی مدت کے اندر دونوں کی موت نہ کسی فریق کی شکست کو ثابت کریگی اور نہ کسی فریق کی کامیابی کو۔

پس یہ پیشگوئی تبھی حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے والا روحانی مقابلہ قرار دی جا سکتی ہے۔ جبکہ اس کا مفاد یہ سمجھا جائے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے صرف اسے پندرہ ماہ کے اندر مرنا چاہیئے اور اس پیشگوئی کے الفاظ کے رو سے سچے کی زندگی میں مرنا چاہیئے۔ اگر جھوٹے کے بالمقابل سچے کا اس مدت معینہ کے اندر بچ جانا پیشگوئی کا مفاد نہ سمجھا جائے۔ تو پیشگوئی ہرگز حق و باطل میں امتیاز کا موجب نہیں رہتی۔ پیشگوئی کا جو مفہوم حافظ صاحب لے رہے ہیں کوئی سمجھدار اور سلیم الفطرت اس کا یہ مفہوم نہیں لے سکتا۔ کیونکہ حافظ صاحب کا مفہوم تو پیشگوئی کو سرے سے غیر معقول بنا دیتا ہے۔

پھر اس عبارت میں حضرت اقدس نے اس پیشگوئی کو بیان کرتے ہوئے اقرار کیا ہے۔ کہ اگر پیشگوئی کے مطابق عبد اللہ آتھم نہ مرے تو آپ ہر سزا

برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پھانسی تک پانے کے لئے تیار ہیں۔

یہ الفاظ بھی بتاتے ہیں کہ آپ پیشگوئی کا یہی مفہوم سمجھتے تھے۔ کہ آپ کو پندرہ ماہ کے عرصہ میں عبداللہ آتھم کے بالمقابل زندہ رہنا چاہیئے۔ اور پندرہ ماہ کے عرصہ میں پیشگوئی کے مطابق عبداللہ آتھم کو ہی ضرور مرنا چاہیئے۔

چونکہ اصل الہام میں یہ شرط مذکور تھی کہ جھوٹا پندرہ ماہ کے عرصہ میں اس صورت میں ھاویہ میں گرایا جائے گا۔ جبکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور عبداللہ آتھم نے اس عرصہ میں حق کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اس لئے سنت اللہ کے مطابق وعیدی موت کا عذاب اس سے ٹل گیا اور وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں نہ مرا۔ لیکن بعد میں جب اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں نے رجوع نہیں کیا تھا۔ تو پھر خدا تعالیٰ نے اس کی اس بے باکی کی وجہ سے جو اس نے اخفائے حق کے لئے اختیار کی حضرت اقدس سے اسے مباہلہ کی دعوت دلائی اور اپنی ایک آخری پیشگوئی کے مطابق پکڑ لیا کہ اگر وہ جھوٹا ہے۔ تو جلد مر جائے گا۔

چنانچہ اس آخری پیشگوئی کے بعد سات ماہ کے عرصہ میں حضرت اقدس کی زندگی میں ہی وہ ہلاک ہو گیا۔ آخری پیشگوئی اس بارے میں اس روحانی مقابلہ کا تتمہ تھی۔ جو عبداللہ آتھم کے متعلق پہلی پیشگوئی کے بعد شروع ہوا تھا یہ پیشگوئی درمیانی واقعات کے ساتھ ملکر جو دعوت مباہلہ سے متعلق ہیں۔ اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ کاذب یعنی عبداللہ آتھم کو صادق یعنی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی زندگی میں مر جانا چاہیئے۔ کیونکہ جب شرط سے فائدہ اٹھانے پر

وعیدی پیشگوئی کی یہ مقید صورت ختم ہو گئی۔ تو آتھم کے اخفائے حق کی وجہ سے اب یہ وعیدی پیشگوئیوں کے اصل کے مطابق تاخیر میں پڑ کر اپنی اس مطلق صورت میں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرے گا۔ قائم ہو گئی۔ کیونکہ مقید صورت کی نفی سے وعیدی پیشگوئیوں میں مطلق صورت کی بہرحال نفی نہیں ہو جاتی۔ بلکہ بے باکی دکھانے پر عذاب کا نازل ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔

پس عبداللہ آتھم کے اخفائے حق کی وجہ سے پیشگوئی مطلق صورت میں قائم رہی۔ اور بعد کے واقعات اور حقائق کی تفصیل اس مفاد کو قطعی طور پر ثابت کر دیتی ہے۔ اور اس امر پر کوئی شبہ کا غبار نہیں چھوڑتی کہ اس کے حضرت اقدس کی زندگی میں مرنے کا روحانی مقابلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ حضور خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہاں جس وقت عبداللہ آتھم اس شرط (یعنی رجوع مانع) کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لئے شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آجائیں گے۔ اور سزائے ھاویہ کامل طور پر نمودار ہو گی اور پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائے گی۔"

(انوار الاسلام ص۵)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ پندرہ ماہ گزر جانے کے بعد بھی حضرت اقدس کے نزدیک پیشگوئی مطلق صورت میں اس کے سر پر قائم تھی۔ بالآخر پیشگوئی کی مطلق صورت کو اس قید سے مقید کیا گیا۔ کہ اخفائے حق کی صورت میں وہ جلد مر جائے گا۔

تفصیل ان حقائق کی از روئے واقعات یہ ہے۔ کہ جب مسٹر عبداللہ آتھم نے پہلی پیشگوئی کی میعاد گذرنے پر یہ لکھا۔ کہ اس نے پیشگوئی کے زمانہ میں رجوع نہیں کیا۔ تو چونکہ اس کے ایسے بیان سے حق مشتبہ ہوتا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی حضرت مرزا صاحب پر اپنے الہام اطلع اللہ علیٰ ھمّہ وغمّہ کے ذریعہ یہ ظاہر کر دیا تھا۔ کہ عبداللہ آتھم نے رجوع کے ذریعہ سنت اللہ سے فائدہ اٹھایا ہے اور اس وجہ سے عذاب اس سے ٹل گیا ہے۔ اس لئے اب اگر عبداللہ آتھم اپنے اس رجوع کا اعتراف کر لیتا تو اس روحانی مقابلہ سے پیشگوئی کی اصل غرض جو عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی فتح تھی ہر شخص کی نگاہ میں پوری ہو جاتی۔ لیکن چونکہ باوجود رجوع کر لینے کے اب مدت پیشگوئی گذرنے کے بعد اس نے اس کا اعتراف نہ کیا اور اس سے پیشگوئی مشتبہ ہو رہی تھی۔ اس لئے حق و باطل میں امتیاز کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے مسٹر عبداللہ آتھم کو مباہلہ کی دعوت دلائی تا حق و باطل میں امتیاز قائم ہو اور جو اشتباہ اس کے رجوع کا اعتراف نہ کرنے سے پیدا ہو رہا ہے۔ وہ دور ہو جائے۔

یہ دعوت مباہلہ آپ نے اپنے ایک اشتہار انعامی ایک ہزار روپیہ میں شائع فرمائی۔ اسمیں آپ نے لکھا ہے۔ کہ

"اگر عیسائی صاحبان اب بھی جھگڑیں اور اپنی مکّارانہ کارروائیوں کو کچھ چیز سمجھیں یا کوئی اور شخص اس میں شک کرے تو اسبات کے تصفیہ کے لئے کہ فتح کس کو ہوئی آیا اہل اسلام کو جیسا کہ درحقیقت ہے۔ یا عیسائیوں کو جیسا کہ وہ ظلم

کی راہ سے خیال کرتے ہیں۔ تو میں ان کی پردہ دری کے لئے مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔ اگر دروغ گوئی اور چالاکی سے باز نہ آئیں تو مباہلہ اس طور پر ہوگا۔ کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر فریقین ایک میدان میں حاضر ہوں۔ اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ ان الفاظ کا اقرار کریں۔ کہ اس پیشگوئی کے عرصہ میں اسلامی رعب ایک طرفۃ العین کے لئے بھی میرے دل پر نہیں آیا۔ اور میں اسلام اور نبی اسلام کو ناحق پر سمجھتا رہا ہوں اور سمجھتا ہوں اور صداقت کا خیال تک نہیں آیا۔ اور حضرت عیسےٰ کی ابنیت اور الوہیت پر یقین رکھتا رہا ہوں۔ اور رکھتا ہوں اور ایسا ہی یقین جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے عیسائی رکھتے ہیں۔ اور اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چھپایا ہے۔ تو اے قادر خدا مجھ پر ایک برس میں عذاب موت نازل کر اور اس دعا پر ہم آمین کہیں گے۔ اور اگر دعا کا ایک سال تک اثر نہ ہوا اور وہ عذاب نازل نہ ہوا جو جھوٹوں پر نازل ہوتا ہے تو ہم ہزار روپے مسٹر عبداللہ آتھم کو بطور تاوان دیں گے۔ چاہیں تو پہلے کسی جگہ جمع کرالیں۔ اور اگر وہ ایسی درخواست نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ وہ کاذب ہیں۔ اور غلو کے وقت اپنی سزا پا چکے ہیں صاف طور پر الہاماً معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اس وقت تک عذاب موت کے ٹلنے کا یہی باعث ہے۔ کہ عبداللہ آتھم نے حق کی

عظمت کو اپنی خوفناک حالت کی وجہ سے قبول کر کے ان لوگوں
سے کسی درجہ مشابہت پیدا کر لی ہے جو حق کی طرف رجوع
کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ انہیں کسی قدر اس
شرط کا فائدہ ملتا۔" (انوار الاسلام صہ ۶)

اوپر کی عبارت میں مذکور انعام کے حصول کے بارہ میں درخواست
کے متعلق حضرت اقدس نے لکھا۔

"درخواست اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد ایک ہفتہ
تک ہمارے پاس آنی چاہیئے۔ تا جو جھوٹا ہو وہ ہلاک ہو
بخدا ہم سچ کہتے ہیں۔ کہ مسٹر عبد اللہ آتھم عظمت اسلامی کو
قبول کر کے اور حق کی طرف رجوع کر کے بچا ہے۔ اب
سارا جہان دیکھ رہا ہے۔ اگر مسٹر عبد اللہ آتھم کے نزدیک
ہمارا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ تو وہ اس دوسری جنگ کو قبول
کریں گے۔ جبکہ سانچ کو آنچ نہیں۔ تو ان کو مقابلہ سے کیسا
اندیشہ ہے۔"

یاد رہے کہ دعا مباہلہ دو فریقوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اور مقصود
دعائے مباہلہ سے یہ ہوتا ہے۔ کہ سچے کی زندگی میں جھوٹے پر عذاب نازل ہو
حضرت اقدس کی دعوت مباہلہ سے ظاہر ہے کہ اب اس دعوت کے بعد
عبد اللہ آتھم قسم کھائے کہ اس نے رجوع نہیں کیا تو جو جھوٹا ہو گا وہ ہلاک ہو گا
چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صادق ہیں۔ لہٰذا ان کا عبد اللہ
آتھم کے مقابل بچا رہنا مباہلہ والے سال کے اندر ضروری ہے کیونکہ
اس دعوت مباہلہ میں جھوٹے کے لئے سچے کی زندگی میں عذاب موت

کا وقوع ایک سال کے اندر تجویز ہوا ہے۔

اس قسم کے لئے جب عبد اللہ آتھم آمادہ نہ ہوا تو اس کے بعد
آپ نے اتمام حجت کے لئے ایسی مؤکد بعذاب قسم کھانے کے لئے
دو ہزار روپے کا انعامی اشتہار دیا۔

اس دوسرے اشتہار انعامی دو ہزار روپے میں قسم کے الفاظ
لکھنے کے بعد آتھم صاحب کو مخاطب کر کے حضرت مرزا صاحب نے لکھا

"حضرت یہ تو دو خداؤں کی لڑائی ہے۔ اب وہی غالب
ہو گا جو سچا خدا ہے۔
جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کی ضرور یہ قدرت ظاہر ہو گی
کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے۔ لیکن اگر
آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھائی تو ضرور فوت ہو جائیں گے
تو جائے انصاف ہے کہ آتھم صاحب کے خدا پر کیا حادثہ
نازل ہو گا۔ کہ وہ ان کو بچا نہیں سکیگا۔ اور منجی ہونے
سے استعفےٰ دے دیگا۔ غرض اب گریز کی کوئی وجہ نہیں یا تو
مسیح کو قادر کہنا چھوڑیں یا قسم کھالیں۔ ہاں اگر عام مجلس
میں یہ اقرار کر دیں کہ ان کے مسیح ابن اللہ کو برس تک زندہ
رکھنے کی قدرت نہیں۔ مگر برس کے تیسرے حصے یا تین دن
تک البتہ قدرت ہے۔ اور اس مدت تک اپنے پرستار
کو زندہ رکھ سکتا ہے تو ہم اس اقرار کے بعد چار مہینہ یا
تین ہی دن تسلیم کر لیں گے۔"

اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء مندرجہ تبلیغ رسالت
جلد سوم صہ ۱۳۵/۱۳۶

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دوسرے اشتہار کے وقت اس روحانی
مقابلہ میں عبداللہ آتھم کا حضرت اقدس کی زندگی میں ایک سال کے اندر
مرنا اور حضرت اقدس کا اس مدت میں نہ مرنا عبداللہ آتھم کے قسم
اٹھانے پر فیصلہ کی صورت ہوگی۔ گویا عبداللہ آتھم کے حضرت اقدس
کی زندگی میں مباہلہ کے بعد ایک سال کے اندر مرنے کے روحانی مقابلہ
کی دعوت دی گئی۔

عبداللہ آتھم انعامی رقم ڈبل کیا جانے پر بھی قسم کے لئے آمادہ نہ ہوا تو
بعد ازاں آپ نے تین ہزار روپے کا انعامی اشتہار دیا۔ مگر وہ پھر بھی آمادہ نہ
ہوا۔ تو آپ نے آخری اشتہار چار ہزار روپے کے انعام کے ساتھ پیش کیا۔
اور اس میں اپنا ایک آخری الہام بھی شائع فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے۔

"کہ میں بس نہیں کروں گا جب تک اپنے قوی ہاتھ کو نہ دکھلاؤں
اور شکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت ظاہر نہ کروں"

اس الہام کا مفاد آپ نے یہ بتایا کہ

"اگر آتھم صاحب قسم نہ کھائیں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے
مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفاء کر کے
دنیا کو دھوکا دینا چاہا...... وہ دن نزدیک ہیں دور نہیں"

پس اس الہام اور اس کی تشریح کے مطابق ڈپٹی عبداللہ آتھم
کو آپ کی زندگی میں ہی جلد خدا تعالیٰ کی گرفت میں آنا چاہیئے تھا
یہ گرفت اس کی حضرت اقدس کی زندگی میں ہلاکت تھی جیسا کہ پہلی
پیشگوئی اور دعوت مباہلہ کی شرط سے ظاہر ہے چنانچہ تین ہزار
روپیہ کے انعام والے اشتہار میں آپ نے اس سوال کا بھی جواب دیا کہ

"ایک سال میعاد کی کیا ضرورت ہے۔ خدا ایک دن میں بھی جھوٹے
کو مار سکتا ہے"؟

اس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

الجواب ہاں بے شک خدائے قادر ذوالجلال ایک دن میں بلکہ ایک
طرفۃ العین میں مار سکتا ہے۔ مگر اس نے الہامی تفہیم سے اپنا
ارادہ ظاہر کر دیا۔ تو اس کی پیروی کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ حاکم ہے۔
...... کیا ان کا (عیسائیوں کا ناقل) مصنوعی خدا ایک سال تک آتھم صاحب کو
نہیں بچا سکتا۔ حالانکہ ان کی عمر بھی کچھ ایسی تھوڑی نہیں۔ بلکہ میری عمر سے
صرف چند سال ہی زیادہ ہیں۔ پھر اس مصنوعی خدا پر کون سی ناتوانی
طاری ہو جائیگی۔ کہ ایک سال تک بھی ان کو بچا نہیں سکے گا۔ ایسے خدا
پر نجات کا بھروسہ رکھنا بھی سخت خطرناک ہے۔ جو ایک سال کی حفاظت
سے بھی عاجز ہے۔ کیا ہم نے نہیں کہا کہ ہمارا خدا اس سال ضرور ہمیں مرنے
سے بچائیگا۔ اور آتھم صاحب کو اس جہان سے رخصت کر دے گا۔ کیونکہ وہی
قادر سچا خدا ہے۔ جس کے بد نصیب عیسائی منکر ہیں۔ اور اپنے جیسے
انسان کو خدا بنا بیٹھے ہیں" (انعامی اشتہار تین ہزار روپے
۵ ر اکتوبر ۱۸۹۴ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۴۴ / ۱۴۵)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس مباہلہ میں ایک سال کی میعاد
حضرت اقدس نے الہامی تفہیم کے ماتحت رکھی ہے۔ اور بالمقابل یہ عہد کیا
ہے۔ کہ ہمارا خدا اس سال ہمیں ضرور مرنے سے بچائے گا۔ اور آتھم صاحب
کو اس جہان سے رخصت کر دے گا۔

یہ ایک سال کی الہامی میعاد اور حضرت اقدس کے عہد کے الفاظ

اس امر پر روشن دلیل ہیں۔ کہ اس دعوت مباہلہ کو جو الہام کی بنیاد پر ہے قبول
کر لینے پر مسٹر عبد اللہ آتھم کو حضرت اقدس کی زندگی میں ہی ایک سال
کے اندر مر جانا چاہیئے۔

پس جھوٹے کے سچے کی زندگی کے اندر مرنے کا روحانی مقابلہ اس
اشتہار کے وقت بھی برابر جاری ہے۔

پہلی پیشگوئی سے پندرہ ماہ کے اندر جھوٹے کو سچے کی زندگی میں مرنا ظاہر
ہوتا تھا یہ میعاد اس کے رجوع سے ٹل گئی۔ اب اس مباہلہ کے قبول کرنے
کے نتیجہ میں جس کی بنیاد الہام پر ہے۔ ایک سال کے اندر عبد اللہ آتھم
کے لئے حضرت اقدس کی زندگی میں موت کا عذاب تجویز ہوا ہے۔ اس سے
ظاہر ہے کہ پہلی پیشگوئی کے بعد برابر اور لگاتار جھوٹے کے سچے کی زندگی میں
مرنے کا روحانی مقابلہ چلتا جا رہا ہے۔ اور یہ مقابلہ بھی الہامی تفہیم کے
مطابق جاری ہے۔

پھر اسی اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ میں حضرت اقدس آتھم صاحب
کو بطور چیلنج بھی لکھتے ہیں۔

از طرف عبد اللہ الاحد عافاہ اللہ وایدہ۔ آتھم صاحب کو
معلوم ہو کہ میں نے آپ کا وہ خط پڑھا جو آپ نے نور افشاں
۲۱ر ستمبر ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۱۰ میں چھپوایا ہے مگر افسوس ہے کہ
اس خط میں دونوں ہاتھ سے کوشش کر رہے ہیں۔ کہ حق ظاہر
نہ ہو۔ میں نے خدا تعالیٰ سے سچا الہام پا کر یقینی اور قطعی
طور پر جیسا کہ آفتاب نظر آ جاتا ہے معلوم کر لیا ہے کہ
آپ نے میعاد پیشگوئی کے اندر اسلامی عظمت اور صداقت
کا اثر اپنے دل پر ڈالا اور اس بنا پر پیشگوئی کے وقوع کا ہم و غم
کمال درجہ آپ کے دل پر غالب ہوا۔

میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح ہے
اور خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مجھ کو اطلاع ملی ہے۔ اور اس
پاک ذات نے مجھے یہ اطلاع دی ہے جو انسان کے دل
کے تصورات کو جانتا ہے۔ اور اس کے پوشیدہ حالات
کو دیکھتا ہے۔ اگر میں اس بیان میں حق پر نہیں تو خدا مجھ کو
آپ سے پہلے موت دے۔

پس اس وجہ سے میں نے چاہا کہ آپ مجلس عام میں قسم غلیظ
مؤکد بعذاب موت کھا جاویں۔ ایسے طریق سے جو میں بیان
کر چکا ہوں۔ تا میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے۔ اور دنیا
تاریکی میں نہ رہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں بھی ایک برس یا
دو برس یا تین برس کے لئے قسم کھا لوں گا۔ کیونکہ میں جانتا
ہوں۔ سچا ہرگز برباد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی ہلاک ہوگا جس کو
جھوٹ نے پہلے ہلاک کر دیا ہے۔ اگر صدق الہام اور صدق
اسلام پر مجھے قسم دی جائے۔ تو میں آپ سے ایک پیسہ نہیں
لیتا۔ لیکن آپ کے قسم کھانے کے وقت میں تین ہزار روپے کے بدرے
پہلے پیش کئے جائینگے..... جبکہ میں بھی قسم کھا چکا اور
آپ کھائینگے۔ تو جو شخص دونوں میں جھوٹا ہوگا وہ دنیا پر
آخری ہدایت ڈالنے کے لئے جہاں سے اٹھا لیا جائے گا۔ اگر
آپ جو ساٹھ برس کے ہیں۔ تو میری عمر بھی قریباً ساٹھ کی ہو چکی

ہے۔ دو خداؤں کی لڑائی ہے۔ ایک اسلام کا اور ایک عیسائیوں
کا۔ پس جو سچا اور قادر ہوگا۔ وہ ضرور اپنے بندہ کو بچائیگا
اگر آپ کی نظر میں کچھ بھی عزت اس مسیح کی ہے جس نے مریم
صدیقہ سے تولد پایا۔ تو اس کی عزت کی سفارش کر کے پھر میں
آپ کو خداوند قادر کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس اشتہار
کے منشا کے موافق قسم مؤکد بعذاب کھاویں۔ یعنی یہ کہیں کہ
مجھے خدا تعالٰے کی قسم کہ میں نے پیشگوئی کی میعاد میں اسلامی
عظمت اور صداقت کا کچھ اثر اپنے دل پر نہیں ڈالا۔ نہ اسلامی
پیشگوئی کی حقانی ہیبت میرے دل پر طاری ہوئی۔ نہ میرے
دل نے اسلام کو حقانی مذہب خیال کیا۔ بلکہ میں درحقیقت
مسیح کی ابنیت اور الوہیت اور کفارہ پر یقین کامل کیساتھ
اعتقاد رکھتا رہا۔ اگر میں اس بیان میں جھوٹا ہوں تو اے
قادر خدا جو دل کے تصورات کو جانتا ہے اس بے باکی کے
عوض میں سخت ذلت اور دکھ کے ساتھ عذاب موت ایک
سال کے اندر میرے پر نازل کر اور تین مرتبہ کہتا ہوگا۔ اور
ہم تین مرتبہ آمین کہیں گے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو
مسیح کی عزت کا کچھ بھی پاس ہے۔ یا نہیں۔"

(اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ تبلیغ رسالت جلد سوم ۵؍ اکتوبر سنہ ۱۸۹۴ء
مندرجہ انوار الاسلام)

تیسرے اشتہار کی اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ خود حضرت مسیح موعود
علیہ السلام نے اس دعوت مباہلہ پر مسٹر عبداللہ آتھم کے بالمقابل یہ قسم

اٹھائی تھی کہ

"اگر میں اس بیان میں (آتھم کے رجوع کرنے کے بیان میں) حق
پر نہیں تو خدا مجھکو آپ سے پہلے موت دے"

اور آتھم کو قسم مؤکد بعذاب کے لئے لکھا تھا۔ اور اس کا یہ اثر بتایا کہ
"جو شخص دونوں میں جھوٹا ہوگا وہ دنیا پر اثر ہدایت ڈالنے کے
لئے جہان سے اٹھا لیا جائے گا"

ان دونوں عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ دعوت مباہلہ قبول کرنے پر حضرت
اقدس کی مانگی ہوئی دعا کے مطابق عبداللہ آتھم کو حضرت اقدس کی زندگی میں
ہی ایک سال کے اندر مر جانا چاہیئے۔ پس جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کا
روحانی مقابلہ لگاتار جاری ہے۔

عبداللہ آتھم اس غیرت دلانے والے اشتہار پر بھی قسم کے لئے آمادہ نہ ہوا
تو پھر حضرت اقدس نے اپنا آخری اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ شائع فرمایا
جو عبداللہ آتھم کے متعلق ایک آخری الہام پر مشتمل تھا۔ کہ خدا تعالٰے
وعدہ فرماتا ہے۔ کہ:۔

"کہ میں بس نہیں کروں گا جب تک اپنے قوی ہاتھ کو نہ دکھلاؤں
اور شکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت ظاہر نہ کروں"

اور اس الہام کا مفاد بتایا کہ:۔

اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیں تو وعدہ ایک سال قطعی اور
یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر
مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھائیں تو پھر بھی خدا تعالٰے ایسے مجرم
کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے اخفائے حق کر کے دنیا

کو دھوکا دینا چاہا ...... اور وہ دن نزدیک ہیں دور نہیں۔"
(اشتہار انعامی چار ہزار روپے مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم ص۱۷۶)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ عبداللہ آتھم کے قسم کھانے کی صورت میں اس کے لئے بلا شرط ایک سال کی میعاد مقرر تھی۔ اور اگر وہ قسم نہ کھائے تو اسے اخفائے حق کے جرم کی سزا اس سے بھی قریب زمانہ میں ملنے والی تھی اس اشتہار میں آپ نے اس بات کو دہرایا ہے۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرے گا چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"دیکھو میری عمر بھی تو قریب ساٹھ برس کے ہے اور ہم اور آتھم صاحب ایک ہی قانون قدرت کے نیچے ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مقابلہ کے وقت ضرور مجھے زندہ رکھ لے گا۔ کیونکہ ہمارا خدا حی وقیوم ہے مریم عاجزہ کے بیٹے کی طرح نہیں۔"

عبداللہ آتھم نے اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ شائع ہونے پر بھی قسم نہ کھائی۔ اس لئے اب وہ اس آخری الہام کے مفاد کے مطابق کہ:-

"اگر قسم نہ کھائیں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے اخفائے حق کر کے دنیا کو دھوکا دینا چاہا ...... اور وہ دن نزدیک ہیں دور نہیں۔"

سات ماہ کے عرصہ میں حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں ہی فوت ہو کر اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر گیا کہ اس نے واقعی حق کی طرف رجوع کیا تھا جس کا اظہار کرنے سے وہ عمداً رک رہا تھا۔ اور جس کے اخفاء کے جرم میں وہ اس پیشگوئی کے مطابق جلد ہلاک ہو گیا ہے

اس کے لئے ایک سال کی میعاد قطعی اور بلا شرط قسم کھانے کی صورت میں تھی۔ اس صورت میں اسے حضرت اقدس کی زندگی میں سال کے اندر مرنا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ قسم نہیں کھائے گا۔ اس لئے اس نے اس کے جلد پکڑے جانے کی پیشگوئی کر دی۔ تا شکست خوردہ گروہ نمایاں طور پر ظاہر ہو جائے۔ اور دنیا پہلی پندرہ ماہ والی پیشگوئی کے منجانب اللہ ہونے کے بارہ میں کسی اشتباہ میں نہ رہے۔ اس کے یہ جلد سزا پانے کی پیشگوئی پہلے روحانی مقابلہ کے تسلسل میں ہی تھی۔ جو پہلے تین اشتہارات میں جاری چلا آرہا تھا۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا اور چوتھے اشتہار میں بھی آپ نے اس مقابلہ کو اس شرط کے ساتھ جاری رکھا تھا کہ آپ اس سال ضرور زندہ رہیں گے۔ اور آتھم مر جائے گا۔

پس اگر اس چوتھے اشتہار انعامی چار ہزار روپے کے شائع ہونے پر عبداللہ آتھم قسم کھا لیتا تو پیشگوئی کے الفاظ کا صریح مفاد یہ تھا۔ کہ وہ ایک سال کے اندر حضرت اقدس کی زندگی میں مرے گا۔ اور اگر قسم نہ کھائے گا تو وہ اخفائے حق کے جرم میں جلد پکڑا جائے گا۔ چنانچہ اس نے قسم نہ کھائی۔ اور پیشگوئی کے مفاد کے مطابق حضرت اقدس کی زندگی میں ہی آخری اشتہار انعامی چار ہزار روپے شائع ہونے کے بعد سات ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہو گیا۔

پس حضرت اقدس کا کشتی نوح کے ص۶ پر یہ لکھنا درست ہے کہ

"پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین میں سے جو شخص اپنے عقیدہ میں جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا سو وہ مجھ سے پہلے مر گیا۔"

عبداللہ آتھم حضرت اقدس کے آخری الہام کے مفاد کے مطابق حضرت

اقدس کی زندگی میں ہلاک نہ ہوتا تو پھر حافظ محمد ابراہیم صاحب کیرپوری کو حضرت اقدس کی کتاب کشتی نوح کے صفحہ ۶ کی عبارت پر اعتراض کرنے کا حق پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اب جبکہ اشتہار چار ہزار روپے انعامی کے صفحہ ۱۱ پر حضور لکھ چکے ہیں۔ کہ

"اب آتھم صاحب اگر قسم کھالیں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھائیں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفا کرکے دنیا کو دھوکا دینا چاہا .... اور وہ دن نزدیک ہیں دور نہیں۔"

اور ڈپٹی عبداللہ آتھم نے قسم کھا کر چار ہزار روپیہ نہ لیا اور سات ماہ کے اندر اس پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوگیا تو اعتراض بے بنیاد نہیں۔ آتھم نے نہ قسم کھائی اور نہ رجوع کا اعتراف کیا تھا اور اس کا یہ طریق پیشگوئی کو مشتبہ کرنے کے لئے تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ اس کو اخفائے حق کے جرم کے ارتکاب کی وجہ سے سزا دے کر اس کی وعیدی موت کی پیشگوئی کو مشتبہ ہونے سے یوں بچاتا ہے کہ عبداللہ آتھم حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی جلد پکڑا گیا۔ اور سات ماہ کے عرصہ میں ہی ہلاک ہوگیا۔

پس اس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی زندگی میں اسے ہلاک کرکے اپنے پہلے اور آخری الہام کی صداقت پر مہر تصدیق لگا دی۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم کا حضرت اقدس کے چار انعامی

اشتہاروں کے مقابلہ میں قسم کھانے پر آمادہ نہ ہونا اس بات کو روز روشن کی طرح واضح کر گیا ہے کہ اس نے واقعی دل میں رجوع کر لیا تھا۔ اس لئے وہ پندرہ ماہ کے اندر موت کے ذریعہ ہاویہ میں گرنے سے بچ گیا تھا۔ اور چونکہ اس نے اس کے بعد اخفائے حق کے نئے جرم کا ارتکاب کیا تھا لہٰذا اس نئے جرم کی سزا میں خدا تعالیٰ نے اسے اپنی پہلی پیشگوئی کو اشتباہ سے بچانے کے لئے جواب مقیّد سے مطلق صورت اختیار کر گئی تھی دوسری پیشگوئی کرکے حضرت اقدس کی زندگی میں ہلاک کر دیا اور اس روحانی مقابلہ میں حق و باطل کے درمیان پورا امتیاز قائم کر دیا۔

تجلیات الٰہیہ میں حضرت مسیح موعود کا یہ لکھنا۔ کہ

"پیشگوئی میں صاف یہ لفظ ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے گا۔"

ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ جو حضرت اقدس کے دعوت مباہلہ کے بیانات اور پہلی پیشگوئی کی مطلق صورت اور آخری الہامی پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔ ان کے مجموعی الفاظ اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کا روحانی مقابلہ جاری تھا عبداللہ آتھم، رجوع کر لینے پر پندرہ ماہ کی میعاد میں نہ مرا۔ اور رجوع کا اعتراف نہ کرنے پر وعیدی پیشگوئی کی سنت کے مطابق بالآخر پکڑا گیا اور پہلا الہام اپنی مطلق صورت میں اس کے سر پر قائم ہوگیا اس کی مطلق صورت بلا شرط یہ تھی۔ کہ

"اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز

انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ ھاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور
اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔
اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس
سے عزت ظاہر ہوگی"۔

ھاویہ میں گرنے کی تشریح حضرت اقدس کے نزدیک یہ تھی کہ ڈپٹی عبداللہ
آتھم بذریعہ موت ھاویہ میں گرایا جائے گا۔ (دیکھو کتاب جنگ مقدس ص۱۸۸)
الہام کی یہ مطلق صورت بتاتی ہے کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو حضرت
اقدس کی زندگی میں ہلاک ہو جانا چاہیئے۔ جب وہ قسم کھانے کے لئے
آمادہ نہ ہوا تو آخری پیشگوئی کا مفاد بھی یہی تھا کہ وہ قسم کھائے تو
میعاد ایک سال بلا شرط اور قطعی ہے۔ اور قسم نہ کھائے تو اخفائے
حق کے جرم میں اسکی سزا کے دن نزدیک ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالےٰ
نے حضرت اقدس کی زندگی میں ۷ ماہ کے عرصہ میں عبداللہ آتھم کو ہلاک
کر کے اپنے قوی ہاتھ سے اس روحانی مقابلہ میں اسلام کی فتح اور
عیسائیت کی شکست کو الم نشرح کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

چونکہ اعتراض کرتے ہوئے حافظ صاحب نے صرف کشتی نوح کے ص۶ کی
عبارت پیش کی تھی جس میں "پیشگوئی میں بیان تھا" کے الفاظ مد نظر رکھے۔
اور حافظ صاحب یہ حوالہ دے کر حضرت اقدس کے الہام سے الفاظ دکھانے
کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس لئے ہم نے جواب میں بیان کے لفظ کے وسیع
معنوں کے لحاظ سے اصل الہام کے الفاظ سے یہ مفہوم ثابت کر دیا تھا
کہ یہ جھوٹے کو سچے کی زندگی میں مرنا چاہیئے۔ اب حافظ صاحب جواب
الجواب میں لکھتے ہیں:۔

"انھوں نے (یعنی مرزا صاحب نے) مفہوم کا نہیں بلکہ الفاظ کا حوالہ
بھی دیا ہے"۔ یہ لکھکر حافظ صاحب نے ثبوت میں تجلیات الٰہیہ
کا حوالہ پیش کیا ہے۔

میں دکھا چکا ہوں کہ حضرت اقدس کی پہلی اور آخری پیشگوئی
کے الفاظ اور دعوت مباہلہ کے روحانی مقابلہ کے الفاظ سب کے سب
اس امر پر دال ہیں کہ حضرت اقدس اور ڈپٹی عبداللہ آتھم کے درمیان
جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کا روحانی مقابلہ جاری تھا۔ لہٰذا
تجلیات الٰہیہ کا بیان بھی من وعن درست ہے۔ کیونکہ پہلی پیشگوئی
مطلق صورت میں اور آخری پیشگوئی کے الفاظ اپنے شان نزول کے
ساتھ ملکر حضرت اقدس کی تشریح کے مطابق صریح الفاظ میں بتاتے ہیں
جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک ہونا چاہیئے تھا۔

چنانچہ آخری پیشگوئی کے بعد وہ سات ماہ کے اندر حضرت اقدس
کی زندگی میں ہلاک ہو کر حضرت مسیح موعود کی پہلی اور آخری پیشگوئی
کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ضمنی اعتراضات کے جوابات

ڈپٹی عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی پر حافظ صاحب کے اصل اعتراض کا جواب دینے کے بعد اب ہم ان کے ضمنی اعتراضات اور سوالات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان سب اعتراضات کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اس پیشگوئی پر مشتمل الہامات کی کئی تاویلات کی ہیں۔ جو بعد از وقت ہونے کی وجہ سے حافظ صاحب کے نزدیک درست اور قابل قبول نہیں۔

خلاصۂ اعتراضات کا جواب

اعتراضات کے اس خلاصہ کے جواب میں ہر اعتراض کا تفصیل سے جواب دینے سے پہلے عرض ہے کہ کسی پیشگوئی یا الہام کی کسی تعبیر کا اس کے وقوع میں آنے کے بعد کھلنا پیشگوئیوں کی سنت اور طریق کے خلاف نہیں کیونکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیشگوئیوں کے پہلے کچھ معنی سمجھے گئے۔ لیکن واقعہ کے ظہور پر اس کی تاویل پہلے معنوں کے خلاف بھی کرنا پڑی ہے۔ مگر کوئی مسلمان اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو جھٹلا نہیں سکتا۔ کہ اس کی تعبیر واقعہ کے وقوع کے بعد کھلی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری کی اَطْوَلُکُنَّ یَدًا والی حدیث اپنے لمبے ہاتھوں سے اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی ہے۔ کہ اس سے مراد پہلے ہاتھوں کی ظاہری لمبائی سمجھی گئی تھی۔ مگر جب واقعہ کا ظہور ہوا تو اس کی یہ تعبیر کی گئی۔ کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت کرنا تھی نہ کہ ظاہری لمبائی۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقہ)

پھر صحیح بخاری میں ہی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ میں نے اس کی تعبیر ہجر یا یمامہ کا مقام کی۔ لیکن ہجرت وقوع میں آنے پر وہ مدینہ ثابت ہوئی۔

(صحیح بخاری کتاب التعبیر)

یہ تعبیر بھی بعد از وقوع واقعہ کی ایک مثال ہے۔ جس میں پہلی تعبیر کے خلاف دوسری تعبیر بعد از وقوعِ واقعہ ہجرتِ مدینہ منورہ ثابت ہوئی۔

پس بعد از وقوع واقعہ اس کی تعبیر کھلنے کی وجہ سے اس رؤیا کو کوئی مسلمان جھٹلا نہیں سکتا۔

عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کے معنی کے متعلق حضرت اقدس نے کوئی ایسی توجیہ ہرگز نہیں کی۔ جسے بعد میں آپ کو ترک کرنا پڑا ہو بلکہ پیشگوئی کی اصل حقیقت عبداللہ آتھم کے تعلق میں آپ نے جو بیان فرمائی تھی وہ بہر حال آخر تک بیان فرماتے رہے۔ اور وہ آخر تک قائم رہی۔ ہاں درمیانی اوقات میں بعض واقعات کے ظہور پر اس پیشگوئی کے ذوالوجوہ ہونے کی بنا پر اس کے الفاظ پر غور کرنے سے بعض اور توجیہات بھی سمجھ میں آئیں۔ جو اصل تشریح پر جسے آپ نے کبھی ترک نہیں

فرمایا تھا۔ ایک اور مفید علمی اضافہ تھا۔ اس مختصر نوٹ کے بعد اب ہم ہر اعتراض کا الگ الگ جواب دیتے ہیں۔

عبداللہ آتھم کیلئے پیشگوئی کا اصل محرک

ڈپٹی عبداللہ آتھم نے اپنی کتاب اندرونہ بائبل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) دجال کہا تھا۔ یہی بات دراصل اس کی موت کی پیشگوئی کے لئے عنداللہ اصل محرک اور موجب تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس نے عبداللہ آتھم کے سامنے اس کی موت کی مشروط پیشگوئی بیان فرماتے ہوئے اس کی اس گستاخی کا ذکر کیا۔ تو اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھکر کہا۔ کہ اس نے ایسا نہیں کہا
چونکہ اصل پیشگوئی اس شرط سے مشروط تھی کہ وہ بسزائے موت پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں اس صورت میں گرایا جاویگا۔ کہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ . . . . چونکہ اس نے حق کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اس لئے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں پیشگوئی کی شرط سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے نہ مرا۔ حضرت اقدس نے اس کے رجوع کی علامات میں سے ایک علامت اس کا پیشگوئی سننے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہنے سے انکار قرار دیا ہے۔

اعتراض نمبرا

حافظ صاحب اسپر معترض ہیں۔ ان کے اس پر اعتراض کی تین شقیں یا صورتیں ہیں۔

الف:۔ اگر پیشگوئی کی بنا مسیح کو خدا بنانا نہیں تھا۔ بلکہ آتھم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہنا تھا۔ تو اس کا ذکر الہام میں کیوں نہیں کیا گیا؟

ب:۔ جب اس نے عین مباحثہ میں معزز آدمیوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہنے سے رجوع کر لیا تو الہام اسی وقت منسوخ کیوں نہ کر دیا گیا۔ اور پندرہ ماہ کی اس کی موت کے لئے تعیین اور بد دعائیں کیوں کرائی گئیں (رسالہ حافظ صاحب ص۸۱)

ج:۔ مرزائی دوستو! کیا یہ رجوع ہے یا انکار۔ آتھم صاحب تو آنحضرت صلعم کو دجال کہنے سے انکار کرتے ہیں کیا آپ کی لغت میں رجوع وانکار ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ (رسالہ حافظ صاحب ص۸۲)

الجواب

ا:۔ اس سوال کی پہلی شق کا جواب یہ ہے۔ کہ الہام میں ذکر تھا۔ کہ دونوں فریق میں جو جھوٹا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ . . . . . . بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اس الہام میں عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے کے الفاظ میں جھوٹے کا تعارف کرایا گیا ہے۔ لیکن موجب اس پیشگوئی کا جیسا کہ حضرت اقدس نے بیان کیا ہے عبداللہ آتھم کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہی تھا۔ ہاں اس توہین کی جرأت اسے اسی وجہ سے تھی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جو ایک عاجز انسان تھے خدا بنا رہا تھا۔ عاجز انسان کو خدا بنانا چونکہ اس گستاخی کا اصل محرک تھا اس لئے الہام میں اس کا ذکر تو کیا گیا اور گستاخی کے ذکر کو جو اس کا نتیجہ تھی ترک کر دیا گیا۔ گو اس کے لئے سزا تجویز ہونے کا اصل موجب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے قیاس سے اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا ہی بناتے ہیں اور الہام الہٰی کے الفاظ سچے خدا کو ترک کر کے ایک عاجز

انسان کو خدا بنایا اسے اس گستاخی پر جرأت دلانے کا موجب ہوا تھا
اس لئے سچے خدا کی طرف رجوع کرنے پر بموجب الہام اس سے یہ
سزا ٹل سکتی تھی۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں اسے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی قبول کرنا پڑتا تھا۔ عذاب الٰہی محض کسی غلط عقیدہ
کے اختیار کرنے پر نہیں آیا کرتا۔ بلکہ اس غلط عقیدہ کی وجہ
سے کسی گستاخی اور شرارت کرنے پر آیا کرتا ہے۔ اس لئے گو الہام
الٰہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے ذکر کو پیشگوئی کا موجب
ظاہری الفاظ میں بیان نہیں کیا گیا۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں
کہ حضرت اقدس قیاساً جانتے تھے۔ کہ اس پیشگوئی کا اصل موجب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہی ہے۔ اس لئے آپ نے جلسہ میں ستر آدمیوں
کے سامنے عبداللہ آتھم کی اس گستاخی کا ذکر پیشگوئی کے موجب کے طور پر بیان
فرمایا۔ پس چونکہ اس گستاخی کو پیشگوئی کا موجب آپ اجتہاداً سمجھے تھے
نہ الہاماً۔ اس لئے الہام میں اس کے صاف الفاظ میں بیان کیا جانے
کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حضرت اقدس انوار الاسلام کے صـ۳ پر صاف لکھتے ہیں۔

"قدیم سے الٰہی سنت اسی طرح پر ہے۔ کہ جب تک کوئی کافر
اور منکر نہایت درجہ کا بے باک اور شوخ ہو کر اپنے
لئے اسباب ہلاکت پیدا نہ کرے تب تک خدا تعالیٰ
تعذیب کے طور پر اس کو ہلاک نہیں کرتا۔"

اس سنت اللہ سے ظاہر ہے کہ محض خدا تعالیٰ کے متعلق عقیدہ
کے اختلاف کی وجہ سے عبداللہ آتھم کی ہلاکت مقدر نہ تھی۔ بلکہ وہ

شوخی اور گستاخی کا نتیجہ تھی۔ اور پہلی اور بڑی شوخی اس کی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہی تھی لہٰذا یہی امر حضرت اقدس کے نزدیک
اجتہاداً پیشگوئی کا موجب تھا۔ رجوع کر لینے کے بعد بھی شوخی اور
بیباکی ہی اس کے لئے دوسری پیشگوئی کا موجب ہوئی۔ جس کے بعد
وہ سات ماہ کے عرصہ میں مرگیا۔

ب ۱۔ دوسری شق کا جواب یہ ہے۔ کہ چونکہ عبداللہ آتھم کا جلسہ
میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہنے سے انکار دراصل اس
الہامی پیشگوئی سے مرعوب ہو جانے کی وجہ سے ہی تھا۔ اور پیشگوئی میں
پندرہ ماہ میعاد دی گئی تھی اور الہامی شرط کے مطابق سچے خدا کو قبول
کر لینے سے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں موت سے بچ سکتا تھا اس لئے
محض اتنے رجوع سے کہ اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں
ایسی گستاخی نہیں کی پیشگوئی کو منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا
بلکہ پندرہ ماہ تک جو اس مشروط پیشگوئی کی آخری حد تھی انتظار
کرنا ضروری تھا۔

ماسوا اس کے اس پیشگوئی کے فوراً منسوخ کیا جانے کا کوئی سوال ہی
پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ پیشگوئی اس شرط سے مشروط تھی کہ رجوع
کر لینے پر عذاب ٹل جائے گا۔ پس اگر وہ رجوع کرے تو موت کی سزا اس
عرصہ کے اندر آپ ہی آپ اس سے ٹل جاتی تھی پیشگوئی کو فوراً منسوخ قرار
دینے کی کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن پندرہ ماہ تک جو
آخری حد ہے عبداللہ آتھم کی حالت کا انتظار بہرحال ایک ضروری
امر تھا۔ اس میعاد کے اندر پیشگوئی کو منسوخ قرار دینا الہام الٰہی کے

خلاف ایک ناجائز جرأت ہوتی جس کا مرتکب ملہم من اللہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پس پندرہ ماہ تک پیشگوئی کے انجام کا انتظار از بس ضروری تھا اور پیشگوئی کو فوراً منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔
پیشگوئی کے بارہ میں چونکہ مامور من اللہ طبعاً خواہش مند ہوتا ہے کہ اس سے لوگ کوئی ٹھوکر نہ کھائیں اس لئے دعائیں وغیرہ کرنا کوئی ناجائز اور خلاف سنت فعل نہ تھا پھر جب ہمیں شرک کا کوئی پہلو موجود نہیں تھا۔ تو آپ پر اعتراض درست نہیں پیشگوئی کے ظہور کا آخر وقت تک انتظار جبکہ آتھم نے اپنے اسلام کا کھلا اعلان نہیں کیا تھا۔ ایک ضروری امر تھا۔

ج:۔ حافظ صاحب عبد اللہ آتھم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے انکار کو ہماری طرف سے اس کے رجوع کی ایک علامت قرار دیا جانے پر پوچھتے ہیں۔ کہ:۔

"کیا آپ کی لغت میں رجوع اور انکار ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں؟" (رسالہ حافظ صاحب صہ ۸۲)

اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ عبد اللہ آتھم نے درحقیقت تو اپنی کتاب "اندرونہ بائیبل" میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (معاذ اللہ) دجال لکھا تھا۔ لیکن جب اس نے کہدیا کہ میں نے آپکی شان میں ایسا نہیں کہا۔ تو گو قولاً یہ اس کا انکار تھا۔ مگر عملاً یہ رجوع ہی تھا۔ کیونکہ کوئی بات پہلے کہکر اس سے انکار کر دینا دراصل اس بات کے کہنے پر شرمسار ہونے کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں

شرمساری عملاً توبہ اور رجوع کے ہی مترادف ہے۔ ہاں اگر ایک بات کسی نے واقعی طور پر تو نہ کہی ہو اور وہ اس کے کہا جانے سے انکار کر دے تو اس کا یہ انکار توبہ اور رجوع نہیں ہوگا۔ بلکہ محض انکار ہوگا لیکن اگر فی الواقعہ تو اس نے بات کہی ہو۔ مگر بعد میں وہ اس کے کہا جانے کا انکار کر دے تو یہ انکار چونکہ اسکے دل میں شرمندہ ہونے کا ایک ثبوت ہوگا۔ اس لئے رجوع پر ہی دال ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر انکار رجوع اور توبہ نہیں۔ لیکن انکار کی ایک ایسی قسم جو پہلے کہی گئی بات پر شرمندگی کا نتیجہ ہو وہ ضرور توبہ اور رجوع ہی کہلائے گی۔ لہٰذا انکار اور رجوع میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے یعنی نہ ہر انکار رجوع ہے اور نہ ہر رجوع انکار۔ البتہ بعض انکار ضرور رجوع ہیں۔ اور بعض رجوع انکار بھی ہیں۔

اعتراض نمبر ۲

حافظ صاحب لکھتے ہیں۔

مرزا جی نے انوار الاسلام میں تو آتھم صاحب کی طبعی پریشانی اور ادھر ادھر آنے جانے کو ھاویہ سے تعبیر کیا ہے لیکن ضیاء الحق صہ ۱۲-۱۳ میں اسی گھبراہٹ اور انتقال مکانی کو رجوع قرار دیا ہے۔ مرزائی دوستو! یہ کیا فلسفہ ہے کہ ایک ہی شئی رجوع اور وہی شے ھاویہ؟ حالانکہ الہام یہ ہے کہ رجوع کرے گا تو ھاویہ سے بچ جائیگا۔ رجوع اور ھاویہ دو مختلف چیزیں ہیں پھر نا معلوم ایک ہی مفہوم میں ان کا اجتماع کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تو اس فلسفہ کی تہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ کیا مرزائی جماعت کا کوئی فاضل مرزا صاحب سے ہمارا اعتراض رفع کر سکتا ہے۔ (رسالہ حافظ صاحب صہ ۸۳)

الجواب حافظ محمد ابراہیم صاحب اگر تدبر سے کام لیتے اور مخالفت برائے مخالفت کا جذبہ ان کے آڑے نہ آتا۔ تو اس امر کا فلسفہ بڑی آسانی سے انھیں سمجھ میں آسکتا تھا۔ مگر ان کی توجہ تو اپنے اعتراض کو خوبصورت بنانے پر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ اس امر کی فلاسفی کی تہ تک کیسے پہنچ سکتے تھے۔ اب ہم انھیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس کی فلاسفی کیا ہے۔ سو واضح ہو۔ کہ "ھاویہ" موعودۂ پیشگوئی ایک ذوالوجوہ اور ذوالمعانی لفظ تھا۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ جہنم ہے جس میں جھوٹا اور مجرم انسان موت سے داخل ہوتا ہے۔ لیکن اس دنیا کی سخت ہموم و غموم اور گھبراہٹ اور پریشانی کی شدید حالتوں کو بھی جو انسان کی زندگی کو اس پر تلخ کر دیں۔ اس اصطلاحی ھاویہ کے مقابلہ میں عربی زبان میں مجازاً ھاویہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے جب عبداللہ آتھم پر اپنے متعلق پیشگوئی سے مرعوب ہو کر ایسا شدید ہم و غم اور اضطراب طاری ہو گیا جو ایک دنیاوی ھاویہ ہی تھا اس لئے ایسی حالت کے پیدا ہو جانے پر جو شدید خوف کا نتیجہ تھی اس سے رجوع کی ایسی کیفیت پیدا ہو سکتی تھی۔ جس سے سنت اللہ کے مطابق اس کی وعیدی موت ٹل جائے۔ اس لئے حضرت اقدس اس کے اس شدید ہم و غم اور اضطراب کو اس کا رجوع ہی قرار دے سکتے تھے۔ وہ پندرہ ماہ کی پیشگوئی کی شرط سے فائدہ اٹھا کر وعیدی موت سے بچ گیا۔ اطلع اللہ علی ھمّہٖ وغمّہٖ کے الہام نے بھی اسی کی گواہی دی۔ اس لئے وہ پندرہ ماہ کے اندر موت کے ذریعہ اخروی ھاویہ میں گرنے سے اس وقت بچ گیا۔ رجوع اور ھاویہ جو دو مختلف حقیقتیں ہیں ان میں ھاویہ سے مراد

وہ ھاویہ تھا۔ جو اس کے پندرہ ماہ کے عرصہ میں مرنے کے بعد ملنے والا تھا۔ اور یہ ھاویہ رجوع سے اس لئے مختلف حقیقت رکھتا تھا کہ رجوع کر لینے پر عبداللہ آتھم پندرہ ماہ کے اندر اس میں داخل ہونے سے پیشگوئی کی شرط کے مطابق بچ سکتا تھا۔ لیکن ہم و غم والے ھاویہ اور رجوع میں اجتماع محال نہیں۔ کیونکہ یہ دو ایسی حقیقتیں نہیں ہیں جو متضاد یا ایک دوسرے کی نقیض ہوں۔ اور اس وجہ سے ان کا اجتماع محال ہو۔ بلکہ یہ دو ایسی حقیقتیں ہیں جو اکٹھی پائی جا سکتی ہیں۔ یعنی پیشگوئی کے بعد کا ہم و غم رجوع کے پایا جانے کی علامت اور دلیل بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح ہم و غم یعنی دنیاوی ھاویہ رجوع کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور اس کی تعبیر رجوع کے لفظ سے کی جا سکتی ہے۔

اگر حافظ صاحب کو اب بھی یہ فلسفہ سمجھ میں نہ آئے تو پھر ان کا خدا ہی حافظ ہے انھیں سمجھانا ہمارے بس کی بات نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ حافظ صاحب اس سلسلہ میں ایک یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ الہام یہ تھا کہ "رجوع کی صورت میں آتھم ھاویہ سے بچ جائیگا۔ پھر کیا وجہ کہ عین جلسہ مباحثہ میں ستر آدمیوں کے سامنے رجوع بھی کیا لیکن ھاویہ سے نہ بچ سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی کا خدا بڑا ظالم اور عہد شکن ہے۔" (رسالہ حافظ صاحب ص ۸۲/۸۳)

الجواب اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے۔ کہ رجوع کر لینے سے تو عبداللہ آتھم پندرہ ماہ کے اندر موت کے ذریعہ اخروی ھاویہ میں داخل ہونے سے بچا رہا کیونکہ یہ ھاویہ مجرم کو موت کے بعد ہی مل سکتا ہے مگر جس دنیوی ھاویہ میں وہ مبتلا رہا وہ تو اس کے رجوع کر لینے کی علامات

میں سے تھا۔ اس دنیوی ہاویہ سے وہ اس صورت میں بچ سکتا تھا جبکہ وہ کھلے لفظوں میں علی الاعلان اسلام قبول کر لیتا کیونکہ ایسا اعلان رجوع کی انتہا ہوتا ہے۔ کہ جو خیالات دل میں پیدا ہو گئے ہوں ان کا انسان اعلان بھی کر دے۔ مگر عبداللہ آتھم کے دل میں تو ایک چور تھا جب پیشگوئی کی ہیبت اس پر طاری ہوئی تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو گستاخی کی ہوئی تھی اس سے تو اس نے بھری مجلس میں رجوع کر لیا مگر اسلام پر ایمان لانے کا چونکہ اس نے اعلان نہیں کیا تھا اور پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے کہ جو شخص سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں بسزائے موت ہاویہ میں گرے گا اس لئے وہ دل میں رجوع کر لینے کے باوجود اس بات سے ڈر تا رہا کہ مبادا میں حق کا اعلان نہ کرنے کی وجہ سے اس اخفائے حق کے جرم میں ہی پکڑا جاؤں اس لئے باوجود دل میں رجوع کی کیفیت پیدا ہو جانے کے وہ شدید ہم و غم اور گھبراہٹ میں مبتلا ہو رہا اور یہ امر اس کے لئے ایک دنیوی ہاویہ ہی تھا۔ اس ہاویہ میں وہ اپنے اسلام کا اعلان نہ کرنے پر پیشگوئی کے رعب سے مرعوب رہنے کی وجہ سے پڑا رہا۔ لہٰذا یہ ہاویہ چونکہ اس کے اپنے اعلانِ اسلام نہ کرنے کے فعل کا ایک طبعی نتیجہ تھا لہٰذا اس کے اس ہاویہ میں پڑا رہنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ پر ظالم اور عہد شکن ہونے کا کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

اعتراض نمبر ۴ ایک اعتراض حافظ صاحب نے اس سلسلہ میں یہ کیا ہے کہ

جب خدائی الہام میں موت کا لفظ نہیں صرف ہاویہ تھا جس کا وقوع بغیر موت بھی ہو سکتا تھا۔ تو مرزا جی نے الہام کی تشریح میں یہ کیوں کہا کہ جھوٹا پندرہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر سزا اٹھانے کو تیار ہوں اور پھر کرامات الصادقین کے آخری صفحہ پر کیوں لکھا کہ میرے الہامات میں سے ایک الہام یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی کہ تیرے ساتھ مباحثہ کرنے والا عبداللہ آتھم پندرہ ماہ تک مر جائیگا۔ پھر تریاق القلوب کے ص۱۸۵ میں یہ کیوں لکھا کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم والے موت کے الہام میں یہ شرط تھی کہ اگر وہ رجوع کریں گے۔ تو موت سے بچ جائینگے۔ اور کشتی نوح ص۵ میں یہ فقرہ کس بنا پر لکھا کہ پیشگوئی نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا۔ کہ اگر آتھم حق کی طرف رجوع کرے گا تو پندرہ ماہ میں نہیں مرے گا۔" (رسالہ حافظ صاحب ص۸۳)

الجواب اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے۔ کہ حافظ محمد ابراہیم صاحب کو اپنے اس رسالہ کے ص۸۲ پر خود مسلم ہے۔

"الہام کے مطابق رجوع نہ کرنے کی صورت میں آتھم صاحب کو ۱۵ ماہ میں ہاویہ یعنی دوزخ میں گرنا چاہیئے۔ چونکہ دوزخ میں داخلہ سے قبل موت ضروری ہے۔ اس لئے مرزا صاحب نے اس الہام کی تشریح آتھم صاحب کو یہی سنائی کہ جو فریق خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر سزا اٹھانے

کو تیار ہوں۔" (رسالہ حافظ صاحب صفحہ ۸۲)

پس حافظ صاحب کے اس اعتراض کا جواب تو خود ان کی اپنی یہ تحریر ہے جس میں الہام کی اس تشریح کو وہ درست تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ اس تشریح کی معقول وجہ انھوں نے خود بیان فرما دی ہے۔ کہ "دوزخ میں داخلہ سے قبل موت ضروری ہے"۔ لہٰذا کرامات الصادقین تریاق القلوب اور کشتی نوح میں حضرت اقدس کا ڈپٹی عبداللہ آتھم کے متعلق موت کی پیشگوئی کرنا حافظ صاحب کی اس تشریح کے مطابق ایک درست فعل تھا۔ اس لئے حافظ صاحب کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں تھا۔ لیکن حافظ صاحب نے محض اعتراضات کا شمار بڑھانے کی خاطر یہ اعتراض بھی کر دیا۔ ورنہ اصل اعتراض حافظ صاحب کو صرف اس مفہوم پر ہے جو انوار الاسلام صفحہ ۵ کی تحریر کا انھوں نے خود اپنے لفظوں میں یوں پیش کیا ہے:-

"کہ الہام میں موت کا لفظ نہیں بلکہ ھاویہ میں گرنے کا ذکر تھا۔ موت کا لفظ ہماری اپنی تشریح ہے۔ سو آتھم ہمارے الہام سے ڈرتا تھا۔ گھبراہٹ کا اظہار کرتا رہا اور اپنی حفاظت کے لئے مختلف شہروں میں گھومتا پھرتا رہا۔ اس کے دل میں رنج و غم بدحواسی طاری رہی۔ یہی اس کا ھاویہ تھا۔ اور ہمارا الہام سچا ہے۔"

اعتراض حافظ صاحب کو اس مفہوم پر اعتراض یہ ہے کہ ھاویہ کی اس تاویل کو ماننے کی صورت میں حضرت اقدس نے اس سے پہلے پیشگوئی میں سزائے موت کا کیوں ذکر کیا تھا۔ اور

کرامات الصادقین وغیرہ میں کیوں تسلیم کیا۔ کہ اس کی موت کی پیشگوئی کی گئی تھی۔

الجواب اس کے جواب میں عرض ہے۔ اصل پیشگوئی الہام کی تشریح کے لحاظ سے یہی تھی۔ کہ آتھم رجوع نہ کرنے کی صورت میں بسزائے موت ھاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور ھاویہ کے اصطلاحی معنے دوزخ لیکر اس کی یہ تشریح کی گئی۔ یہی تشریح خود حافظ صاحب کو مسلم ہے۔ ان کی عبارت کا حوالہ قبل ازیں دیا جا چکا ہے۔

چونکہ اس تشریح کو حضرت اقدس نے درست سمجھ کر آخر تک قائم رکھا ہے۔ اس لئے کرامات الصادقین تریاق القلوب اور کشتی نوح میں آپ نے ڈپٹی عبداللہ آتھم کی موت کی پیشگوئی کا بھی ذکر فرمایا۔ لیکن چونکہ خود الہام میں موت کا لفظ واقعی موجود نہ تھا اور ھاویہ کا لفظ ذوالوجوہ ہونے کی بنا پر وسیع معنے رکھتا تھا اس لئے اس سے دوزخ بھی مراد لیا جا سکتا تھا۔ اور دنیا کے شدید ہموم و غموم بھی مراد ہو سکتے تھے۔ اور پیشگوئیوں کے الہامی الفاظ چونکہ ذوالوجوہ بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے الہام کے لفظ ھاویہ کے دوسرے معنوں کے لحاظ سے بھی چونکہ الہام سچا ٹھہرتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس کے معنے کا یہ پہلو بیان کر کے بھی الہام کا سچا ہونا ثابت کیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہ تھا۔ کہ یہ معنے اور یہ پہلو بیان کرتے ہوئے آپ نے اپنے پہلے تشریحی معنے ترک فرما دئے تھے۔ وہ معنی تو بہرحال آپ نے آخر تک قائم رکھے ہیں۔ اور ان کے لحاظ سے بھی اپنی پیشگوئی کا سچا ہونا خود اسی کتاب انوار الاسلام میں ثابت کیا ہے جس میں

لفظ ھاویہ کے دوسرے تعبیری معنے بیان کر کے بھی الہام کو سچا ثابت کیا ہے۔

پس یہ امر کلام الٰہی کے عجائبات میں سے ہے۔ کہ ھاویہ کے لفظ کے وسیع معنوں کے لحاظ سے ان دوسرے معنوں میں اس الہام سے ایک اور عجیب بات بھی ظاہر ہوتی تھی۔ جس کی واقعات تائید کر رہے تھے۔ اس لئے انوار الاسلام میں الہام کی پہلی تشریح کے علاوہ اس کے ان دوسرے معنوں میں بھی اس کا سچا ہونا ثابت کیا گیا۔ اگر تو حضرت اقدس پہلے معنوں اور تشریح کو ترک کر کے یہ معنی اختیار کرتے تو اس وقت حافظ صاحب کو اس اعتراض کا حق پہنچتا تھا۔ کہ اس کے بعد پھر آپ نے کرامات الصادقین اور تریاق القلوب اور کشتی نوح وغیرہ میں کیوں موت کی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے۔ مگر حضرت اقدس نے تو پہلے معنے ترک نہیں کئے تھے۔ اور دوسرے معنے صرف پیشگوئی کے ذوالوجوہ ہونے کی وجہ سے واقعات کی شہادت کی بنا پر لئے تھے اس بات کا ثبوت کہ حضرت اقدس نے پہلے معنے ترک نہیں کئے تھے۔ یہ ہے۔ کہ

حضرت اقدس نے انوار الاسلام کے صفحہ پر ان دوسرے معنوں کے بیان کرنے کے ساتھ ہی پہلے معنوں کو صاف طور پر قائم رکھا ہے۔ چنانچہ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر تم ایک طرف ہماری پیشگوئی کے الہامی الفاظ پڑھو اور ایک طرف اس کے مصائب کو جانچو جو اس پر وارد ہوئے۔ تو تمہیں کچھ بھی اس بات کا شک نہیں رہے گا

کہ وہ بے شک ھاویہ میں گرا ضرور گرا۔ اور اس کے دل پر رنج اور بدحواسی وارد ہوئی۔ جس کو ہم آگ کے عذاب سے کچھ کم نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اعلیٰ نتیجہ ھاویہ کا جو ہم نے سمجھا اور جو ہماری تشریحی عبارت میں درج ہے۔ یعنی موت وہ ابھی تک حقیقی طور پر وارد نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نے عظمت اسلام کی ہیبت کو اپنے دل میں دھنسا کر الٰہی قانون کے موافق الہامی شرط سے فائدہ اٹھا لیا۔ مگر موت کے قریب قریب اس کی حالت پہنچ گئی۔ اور وہ درد اور دکھ کے ھاویہ میں ضرور گرا۔ اور ھاویہ میں گرنے کا لفظ اس پر صادق آگیا۔ پس یقیناً سمجھو کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ بالا ہوا۔ اور کلمۂ اسلام اونچا ہوا۔ اور عیسائیت نیچے گری"۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

بیشک اس عبارت میں ھاویہ کی دوسری توجیہہ دنیوی ھاویہ کے رو سے بھی آپ نے اپنے الہام کے پورا ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ بسزائے موت ھاویہ میں گرنے کی پہلی تشریح کو بھی آپ نے ترک نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ اسے ھاویہ کا اعلیٰ نتیجہ قرار دیا ہے جس سے عبداللہ آتھم رجوع کی شرط سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے پندرہ ماہ کے اندر نہ مرنے سے بچا رہا۔ چونکہ حافظ صاحب کا اعتراض صرف ھاویہ کے پہلے معنی جو ھاویہ کا اعلیٰ نتیجہ تھا ترک کر دینے پر ہی وارد ہو سکتا تھا۔ اور وہ معنے حضرت اقدس نے ترک نہیں فرمائے تھے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔ بلکہ الہام کے صرف ذوالوجوہ
ہونے کی وجہ سے اس کے دوسرے معنوں میں بھی پورا ہونے کا ثبوت
دیا تھا۔ اس لئے حافظ صاحب کا اعتراض سراسر باطل ہے۔

اعتراض نمبر ۵ ایک اعتراض حافظ صاحب نے یہ کیا ہے۔ کہ ۱۵
ماہ کی میعاد کے اندر جب پادری رائٹ وفات
پا گئے۔ تو الہام کے لفظ فریق کو وسیع معنوں میں لے کر حضرت مرزا
صاحب نے انوار الاسلام صـ۲ پر پادری رائٹ صاحب کی وفات کو
الہام کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ ڈاکٹر کلارک اور اس کے
دوستوں کو اس کی وفات کا صدمہ پہنچا۔ اور وہ بے حد پریشان
ہوئے۔ گویا وہ ھاویہ میں پڑ گئے..... لیکن ۱۸۹۷ء میں جب ایک
نوجوان عبدالحمید پر ڈاکٹر کلارک پر قاتلانہ حملہ کے سلسلہ میں
ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا۔ اور
مرزا جی بھی عدالت میں طلب کیے گئے۔ کیونکہ ڈاکٹر کلارک کا بیان
یہ تھا۔ کہ حملہ مرزا صاحب کے ترغیب دلانے پر ہوا ہے۔ چونکہ میں مباحثہ
میں آتھم صاحب کے فریق میں شامل تھا۔ اس لئے مرزا صاحب میرا
قتل اپنے الہام کی سچائی کے لئے مفید خیال کرتے ہیں۔ تو مرزا صاحب
نے اپنی بریت کے لئے عدالت میں بیان دیا۔ کہ
ہماری پیشگوئی صرف آتھم کے لئے تھی۔ کل متعلقین
مباحثہ کی بابت پیشگوئی نہ تھی۔"
(مرزا صاحب کا عدالتی بیان مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۹۷ء)

الجواب:۔ اس اعتراض میں حضرت اقدس پر دراصل جھوٹ

بولنے کا ایک نیا الزام قائم کیا گیا ہے۔ مگر خدا کی گرفت دیکھیں۔ کہ
حافظ صاحب نے خود اس اعتراض میں مسل مقدمہ کے صریح خلاف
تین غلط بیانیاں کی ہیں۔

پہلی غلط بیانی ان کی یہ ہے۔ کہ انھوں نے لکھا ہے۔ کہ
"ایک نوجوان عبدالحمید پر ڈاکٹر کلارک پر قاتلانہ
حملہ کے سلسلہ میں ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت
میں مقدمہ چل رہا تھا"

حالانکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ مقدمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب
بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت
چل رہا تھا۔ اور عبدالحمید اس مقدمہ میں ایک گواہ استغاثہ کے
طور پر بیان دے رہا تھا۔ کہ مرزا صاحب نے مجھے ڈاکٹر مارٹن
کلارک کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔

اس غلط بیانی سے حافظ صاحب اس بات کو چھپانا چاہتے
تھے۔ کہ مقدمہ حضرت مرزا صاحب کے خلاف دائر تھا۔ مگر چونکہ
جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے نادانستہ ان کے قلم سے
آخر یہ فقرہ نکل ہی گیا۔ کہ
"مرزا صاحب نے اپنی بریت کے لئے عدالت میں بیان
دیا کہ ہماری پیشگوئی صرف آتھم کے متعلق تھی کل متعلقین
مباحثہ کے بابت پیشگوئی نہ تھی"

حافظ صاحب! اگر مقدمہ حضرت کے خلاف نہ تھا تو انھیں
اپنی بریت کے لئے بیان دینے کی کیا ضرورت تھی۔

دوسری غلط بیانی حافظ صاحب نے یہ کی ہے

دوسری غلط بیانی کہ انھوں نے لکھا ہے۔

"ڈاکٹر کلارک کا بیان یہ تھا۔ کہ یہ حملہ مرزا صاحب کے ترغیب دلانے پر ہوا ہے۔"

حالانکہ ڈاکٹر مارٹن کلارک نے اپنے بیان میں اپنے اوپر کسی حملہ کے کئے جانے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ!

"عبدالحمید کے آتے ہی شکل کو دیکھ کر ہم کو اس کی نسبت شک ہوا۔ کہ یہ وہ شخص ہے۔ جس کو مرزا صاحب نے میرے قتل کے واسطے بھیجا ہے۔ میں نے کسی کو یعنی پولیس وغیرہ کو اطلاع نہیں دی مگر اپنے لوگوں کو کہا کہ اسکو رکھو اور دھیان رکھو۔ مگر اپنا پتہ اس کو نہ دو۔ عبدالحمید کے پاس کوئی ہتھیار اور کوئی چیز نہ تھی ہم نے کسی سے یہ ذکر نہیں کیا۔ کہ ہمارا اشتباہ اس شخص کی نسبت ہے۔ کہ وہ ہم کو قتل کرے گا۔"

{ تتمہ بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ۹ اگست ۱۸۹۷ء }

پس ڈاکٹر مارٹن کلارک نے عبدالحمید کی طرف سے اپنے اوپر حملہ کیا جانے کا اپنے بیان میں قطعاً ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ صرف حافظ صاحب کی ڈاکٹر مارٹن کلارک کے بیان کے متعلق صریح غلط بیانی ہے۔

تیسری غلط بیانی حافظ صاحب نے حضرت اقدس کے بیان

کے متعلق یہ لکھ کر کی ہے۔ کہ آپ نے کہا ہماری پیشگوئی صرف آتھم کے لئے تھی کل متعلقین مباحثہ کے متعلق پیشگوئی نہیں تھی۔

تیسری غلط بیانی کی وضاحت یہ تو درست ہے کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک نے اپنے بیان میں الہام کے لفظ فریق میں اپنے آپ کو شامل قرار دیا ہے۔ تا وہ اپنے الزام کو درست ثابت کرے۔ اور اس کے علاوہ اپنے بیان میں وہ ایک اور پیشگوئی کا اپنی موت کے متعلق کیا جانا بھی بیان کرتا ہے۔ چنانچہ انجام آتھم ص۳۲ کے حوالہ سے کہتا ہے۔ کہ

"ہماری نسبت موت کی پیشگوئی کی ہے۔ پہلی پیشگوئی میں پندرہ ماہ کی میعاد تھی۔ جو گذر چکی ہے اور دوسری پیشگوئی کی تاریخ ۱۴ر ستمبر ۱۸۹۷ء تک ہے"

(تتمہ بیان ڈاکٹر مارٹن کلارک ۱۵ر اگست ۱۸۹۷ء)

اس جگہ حافظ صاحب کی غلط بیانی یہ ہے۔ کہ انھوں نے حضرت اقدس کے بیان کو بالکل ایک مبہم اور مسخ شدہ صورت میں پیش کیا ہے۔ حضرت اقدس کا بیان جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں ہوا وہ حافظ صاحب کی تحریر مندرجہ ان کے رسالہ ص۸ کے مطابق ۱۳ر اگست ۱۸۹۷ء کو نہیں ہوا۔ بلکہ ۱۵ر اگست ۱۸۹۷ء کو ہوا تھا۔ آپ کے بیان کے اصل الفاظ مسل مقدمہ کے مطابق یوں ہیں۔

"ہم نے کبھی پیشگوئی نہیں کی۔ کہ ڈاکٹر کلارک صاحب مر جائیں گے ہرگز ہمارا منشا کسی لفظ سے یہ نہ تھا کہ صاحب موصوف مر جائیں گے۔ عبداللہ آتھم کی بابت ہم نے شرطیہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ اگر رجوع بحق نہیں کریگا

تو مرجاویگا - عبداللہ آتھم صاحب کی درخواست پر پیشگوئی
صرف اس کے واسطے کی تھی - کل متعلقین مباحثہ کی بابت
نہ تھی - لیکھرام کی درخواست پر اس کے واسطے بھی پیشگوئی
کی گئی تھی - چنانچہ پوری ہو گئی "

اب ہم سلیم الفطرت اصحاب کے سامنے حضرت مرزا صاحب کا یہ
بیان پیش کر کے عرض پرداز ہیں - کہ حضرت اقدس کا یہ بیان من و
عن درست اور واقعات کے مطابق ہے - کہ حضرت اقدس نے
نے کبھی ڈاکٹر مارٹن کلارک کی موت کے متعلق کوئی پیشگوئی نہیں کی
تھی - انجام آتھم صفحہ ۲۴۴ کے حوالہ سے جس عبارت کو ڈاکٹر مارٹن کلارک
نے اپنے متعلق موت کی پیشگوئی قرار دینے کی کوشش کی تھی - عدالت
نے اپنے فیصلہ میں ڈاکٹر مارٹن کلارک کے ان معنوں کو صحیح تسلیم نہیں
کیا ہاں فریق کا لفظ جو ۱۸۹۳ء کی پیشگوئی میں تھا - وسیع معنوں میں
لیا جا سکتا تھا - اور ڈاکٹر کلارک خود کو اس میں شامل کر سکتا تھا -
مگر ڈاکٹر صاحب نے چونکہ خود اپنے بیان میں تسلیم کر لیا تھا - کہ اسکی
میعاد پندرہ ماہ ختم ہو چکی ہے - اس لئے عدالت نے بھی اپنے فیصلہ
میں ۱۸۹۳ء کی اس پیشگوئی کو میعاد ختم ہو جانے کی وجہ سے غیر متعلق
قرار دیا ہے - حضرت اقدس کی مراد اس بیان سے کہ کل متعلقین مباحثہ
کے متعلق پیشگوئی نہ تھی صرف اور صرف یہ تھی - آپ نے نہ معین طور پر
ڈاکٹر کلارک کی موت کی پیشگوئی کی تھی - اور نہ فریق کے لفظ میں معین
طور پر انہیں عبداللہ آتھم کے ساتھ شامل کر کے ان کے لئے موت کی
پیشگوئی شائع کی تھی - بلکہ حضور کے بیان سے ظاہر ہے کہ معین طور

پر پیشگوئی آپ شخص متعلق سے اجازت لینے کے بعد کرتے رہے من چنانچہ
آپ بیان دیتے ہیں - کہ عبداللہ آتھم کی موت کے متعلق پیشگوئی آپ
نے معین طور پر کی تھی وہ بھی اس کی درخواست پر ڈاکٹر مارٹن کلارک
کے استغاثہ کا گواہ عبدالحمید ایک جھوٹا گواہ تھا - چنانچہ جب عدالت کو
اس کے بیان پر یقین نہ ہوا - تو اس نے اسے عیسائیوں کے قبضہ سے
نکال کر تحقیقات کے لئے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے حوالہ کیا - سپرنٹنڈنٹ
صاحب پولیس کے سامنے وہ رو پڑا اور پاؤں پر گر کر کہنے لگا کہ اس
کا پہلا بیان جھوٹ ہے - مرزا صاحب نے اسے مارٹن کلارک کے
قتل کے لئے نہیں بھیجا تھا - اس امر کو دیکھ کر کہ مارٹن کلارک نے
استغاثہ سے دست بردار ہونے کی درخواست بھی دے دی جسے
حاکم نے قبول نہ کیا - اور بالآخر اپنے فیصلہ میں لکھا -

مرزا صاحب اس سے انکار کرتے ہیں - کہ الفاظ فریق اور
شخص کا تعلق کسی خاص شخص سے تھا اور بیان کرتے ہیں کہ
ہر صورت میں صرف ان کا اشارہ عبداللہ آتھم سے تھا - نہ
ڈاکٹر مارٹن کلارک سے ہم خیال کرتے ہیں . وہ الفاظ جو
ان کی طرف سے استعمال کئے گئے ہیں - اس بات کی تائید
نہیں کرتے - مگر میعاد متعینہ گذر چکی ہے - اور اب پیشگوئی
غیر متعلق ہے - اور ایک اور پیشگوئی جس کی میعاد
ستمبر ۱۸۹۷ء میں منقضی ہو گی - غلام احمد ہوتے الفاظ میں)
ڈاکٹر کلارک یا دیگر کسی پادری کو مباہلہ کے لئے طلب کرتے
ہیں - وہ اپنے دل سے امید کرتے ہیں - کہ ڈاکٹر کلارک منتخب

ہوں اور وہ اسے ذلیل سا بزدل آدمی کہتے ہیں۔

اگر ڈاکٹر کلارک شیطانی تدابیر اختیار کر کے بچنے کی کوشش کرے تو اللہ تعالٰے خود اپنے طور سے جھوٹ کی بیخ کنی کر دے گا۔ ڈاکٹر کلارک کہتا ہے کہ جھوٹ سے اس کی ذات کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہاں جو جھوٹ کا لفظ ہے اس جھوٹ سے ملتا ہے جو ۱۸۹۳ء کی پیشگوئی میں درج ہے مگر مرزا صاحب اس الہام سے انکار کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئیاں ڈیلفک الہاموں کی طرح دو پہلو رکھتی ہیں اور اسی میں فائدہ ہے کہ وہ ایسی ہوں۔ مرزا صاحب کچھ مطلب بیان کرتے ہیں اور ڈاکٹر کلارک کچھ اور۔ اس صورت میں اس امر کا ثابت کرنا ناممکن ہے۔ کہ ڈاکٹر کلارک کے معنے ٹھیک ہوں۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ انھوں نے ڈاکٹر کلارک کی موت کی نسبت کبھی کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ اور جس قدر مطبوعہ شہادت پیش کی گئی ہے۔ ہم منجملہ اس کے کسی میں بھی کوئی صاف اور صریح امر نہیں پاتے جس سے مرزا صاحب کے بیان کی تردید ہوتی ہو"۔

چونکہ استغاثہ جرم کو ثابت نہ کر سکا اور عبد الحمید نے سچ سچ بیان دے دیا۔ اور عیسائیوں کی سازش حاکم وقت پر ظاہر ہو گئی اور ان کی طرف سے پیش کردہ تحریری مطبوعہ شہادتوں میں سے حاکم نے کسی بھی شہادت کو صاف اور صریح نہ پایا جس سے حضرت مرزا صاحب کے بیان کی تردید ہوتی ہو۔ اس لئے اس نے آپ کو بری کر دیا۔

بے شک فریق کے لغوی معنوں کے لحاظ سے اس کے معنوں میں وسعت تھی۔ مگر حضرت اقدس اپنے ذاتی علم کے لحاظ سے فریق کے لفظ کو عبد اللہ آتھم سے ہی متعلق سمجھتے تھے۔ اور کسی اور عیسائی کو اس میں اپنے ذاتی علم میں داخل نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ کہ معین طور پر یہ پیشگوئی آپ نے صرف عبد اللہ آتھم کے متعلق ہی کی تھی۔ نہ متعلقین مباحثہ میں سے کسی اور کے متعلق۔ لہٰذا اس مقدمہ کے دوران میں فریق کے لفظ کو وسیع معنے میں لیکر ڈاکٹر مارٹن کلارک کا اس پیشگوئی کو استغاثہ کی شہادت بنانا درست نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ پیشگوئی کی میعاد پندرہ ماہ گزر چکی تھی۔ اور یہ پیشگوئی اس استغاثہ کی نوعیت کے لحاظ سے بالکل غیر متعلق نظر آتی تھی۔ جیسا کہ حاکم وقت نے اسے غیر متعلق قرار دیا ہے۔ ہاں انجام آتھم کی دعوت مباہلہ کے بعد کے الفاظ کو ڈاکٹر مارٹن کلارک نے کھینچ تان کر اپنے متعلق موت کی پیشگوئی بنانا چاہا۔ مگر ان خاص معنوں کی تغلیط اس کے گواہ استغاثہ مولوی محمد حسین نے بھی اپنے بیان میں کر دی۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے بیان میں کہا۔

انجام آتھم کے صـ۲۸ پر جو عبارت آخر صفحہ پر درج ہے کہ جھوٹ کی بیخ کنی خدا کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹ ضائع ہو گا۔ اس عبارت سے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی خاص دشمنی مرزا صاحب کی کلارک صاحب سے ہے"۔ (بیان مولوی محمد حسین صاحب)

پھر خود حاکم وقت نے مارٹن کلارک کے معنوں کو اپنے فیصلہ میں صحیح تسلیم نہیں کیا۔ اور لکھا ہے کہ اس سے اس امر کا ثابت کرنا ناممکن ہے۔ کہ ڈاکٹر کلارک کے معنے ٹھیک ہوں۔

پس حضرت اقدس نے فریق کے لفظ سے اپنے ذاتی علم کے لحاظ سے معین طور پر یہ پیشگوئی صرف عبداللہ آتھم کے متعلق قرار دی تھی۔ اور متعلقین مباحثہ میں سے کسی دوسرے شخص کے لئے معین طور پر فریق کے لفظ سے موت کی پیشگوئی قبل از وقت بیان نہیں کی تھی۔ اس لئے آپ نے عدالت میں اس لفظ کو صرف عبداللہ آتھم سے متعلق قرار دیا۔ اور دوسرے متعلقین مباحثہ کو اپنے اس ذاتی علم کی بنا پر پیشگوئی میں شامل قرار نہیں دیا ہے پیشگوئی کے بارہ میں ذاتی علم اور شے ہے۔ اور واقعاتی علم اور شے پیشگوئی ذاتی علم کی بنا پر ہوتی ہے

اگر حضرت اقدس اپنے ذاتی علم کی بنا پر ان کو بھی پیشگوئی میں شامل اور شریک سمجھتے تو ان کے حق میں بھی عبداللہ آتھم کی طرح ان کے نام سے پیشگوئی شائع فرماتے۔ چونکہ عدالت میں شہادت ذاتی علم کی دی جا سکتی تھی۔ ذاتی علم کے لحاظ سے آپ اپنی پیشگوئی کا مورد ہمیشہ عبداللہ آتھم کو ہی قرار دیتے رہے تھے۔ اس لئے آپ کا یہ بیان اپنے اس ذاتی علم کے لحاظ سے بالکل درست ہے۔

ہاں واقعات کے ظہور کے لحاظ سے اس پیشگوئی کی میعاد کے اندر چونکہ دوسروں پر بھی اس کا اثر نظر آ رہا تھا۔ اس لئے انوار الاسلام کے صفحہ ۸ پر آپ نے واقعات کی روشنی سے پیشگوئی کے اثر کو وسیع محسوس کیا اور دوسرے متعلقین مباحثہ کو بھی اس سے متاثر پایا

اس لئے اصل پیشگوئی کے بعد کی واقعاتی شہادت سے آپ نے یہ اثر ضرور لیا کہ فریق کے لفظ میں خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی داخل ہونگے مگر یہ علم ذاتی نہ تھا۔ بلکہ قیاسی تھا جو بعد کے واقعات کے ظہور پر مبنی تھا۔ اسی لحاظ سے آپ نے پادری رائٹ کے مرنے پر اس پر اور دوسروں پر اس موت کا جو کچھ اثر پڑا اسے اس پیشگوئی کا اثر سمجھا

لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ خدا سے ذاتی علم پانے کی بنا پر آپ نے پیشگوئی کو صرف عبداللہ آتھم کے متعلق قرار دیا تھا۔ اور ہمیشہ اس کے متعلق سمجھا ہے۔ اور اس ذاتی علم میں کبھی دوسروں کو شریک نہیں سمجھا۔ ذاتی علم سے مراد ہماری وہ تفہیم ہے۔ جو قبل از ظہور واقعات پیشگوئی کے متعلق آپ کو حاصل تھی۔

یہ ذاتی علم آپ کو صرف عبداللہ آتھم کے متعلق ہی حاصل تھا نہ کہ دوسرے متعلقین مباحثہ میں سے کسی اور کے متعلق۔

پس مارٹن کلارک کا فریق کے لفظ میں اپنے تئیں شامل سمجھنا خدا تعالیٰ کی طرف سے تفہیم کے ماتحت حاصل شدہ ذاتی علم کے خلاف تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے اپنے بیان میں اس کی تردید فرمائی۔ اور صاف بتا دیا کہ ان کی موت کے متعلق کوئی پیشگوئی نہیں کی گئی تھی۔

ہاں چونکہ اس بیان سے حافظ صاحب کی طرح مخالفین مغالطہ دے سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے کتاب البریہ میں اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے لکھا۔

”یہ ضرور نہیں کہ الہامی پیشگوئیوں کے پہلو یک دفعہ معلوم ہو جائیں۔ اس لئے ہمارے خیال میں ابتدا سے یہی رہا کہ

یہ پیشگوئی خاص آتھم کے متعلق ہے۔ اور آتھم کے نام ہی بار بار اشتہار جاری ہوئے اور اسی کو قسم کے لئے بلایا گیا ہاں جبکہ بعض اور عیسائیاں شریک بحث پر بھی اس پیشگوئی کا اثر پڑا تو یہ سمجھا گیا۔ کہ خدا کے نزدیک یہ بھی اس میں داخل ہوں گے۔

مگر دراصل ابتدا سے ہمارا علم یہی تھا کہ اس پیشگوئی کا مصداق صرف آتھم ہے۔ ہماری نیت میں کبھی کوئی اور نہ تھا۔۔ ہاں دوسروں پر ہم نے اثر دیکھا۔ ورنہ ہم نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ جیسا کہ عبداللہ آتھم اس پیشگوئی میں شریک ہے۔ ویسا ہی دوسرے بھی شریک ہیں۔ اس لئے ہماری پوری اور اصل توجہ آتھم کی ہی طرف رہی اور اب تک اسی کو اصل مصداق پیشگوئی کا سمجھتے ہیں"

(حاشیہ کتاب البریہ صفحہ ۲۶۰)

خلاصہ کلام یہ کہ عدالتی بیان ذاتی علم کی بنا پر تھا۔ اور انوار الاسلام صفحہ ۹ میں الہام الٰہی میں لفظ فریق کے معنوں میں وسعت واقعاتی شہادت کے اثر کی بنا پر سمجھی گئی تھی نہ کہ ذاتی علم کی بنا پر۔ پیشگوئی ذاتی علم کی بنا پر کی جاتی ہے۔ نہ کہ بعد کی واقعاتی شہادت پر۔ جو اس وقت موجود نہیں ہوتے۔ ہاں بعد کے واقعات جن پر پیشگوئی منطبق ہو سکتی ہو۔ پیشگوئی کی تعبیر قرار دئے جا سکتے ہیں پس پیشگوئی کی واقعاتی تعبیر اور بات ہے۔ اور نفس پیشگوئی

امر دیگر۔ بعض اوقات پیشگوئی کے متعلق ملہم کو جو علم دیا جاتا ہے۔ وہ محدود ہوتا ہے۔ مگر واقعات پھر اس کی تعبیر اور رنگ میں بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود ؑ کا عدالتی بیان ذاتی علم کی بنا پر ہے۔ اور انوار الاسلام کی عبارت واقعاتی شہادت پر۔ عدالت میں واقعاتی شہادت کے بیان کرنے کا قانونی تعلق نہ تھا۔ اس لئے آپ کا یہ بیان پیشگوئی کے متعلق آپ کے ذاتی علم یعنی قبل از ظہور واقعات پیشگوئی کی تفہیم کے متعلق تھا۔

اعتراض حافظ صاحب کا ایک ضمنی اعتراض اس پیشگوئی کے متعلق یہ ہے کہ الہامی الفاظ میں جو رجوع کی شرط تھی۔ اس سے مراد آتھم کا مسلمان ہو جانا تھا۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنی کتاب کرامات الصادقین میں مسٹر آتھم کے ذکر میں فرماتے ہیں ان لیُسلِمَنَّ لَیَسْلَم والّا فَیمُوتُ یعنی آتھم اگر اسلام لے آئے تو بچ رہے گا وگرنہ مر جائیگا۔

الجواب اس میں کچھ شک نہیں کامل رجوع تو یہی چاہتا تھا۔ کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم دل میں اسلام کو سچا سمجھنے کے ساتھ زبان سے بھی اس کا اقرار بلکہ اعلان کرتا۔ لیکن الہام الٰہی میں چونکہ صرف رجوع کا ذکر ہے نہ کہ کامل رجوع کا۔ اس لئے عذاب سے بچنے کے لئے اسلام لانے کے مشابہ حالت پیدا کر لینے سے بھی وہ عذاب سے بچ سکتا تھا۔ اور پیشگوئی کے صحیح معنے بھی دراصل وہی ہوتے ہیں جو واقعات کے لحاظ سے صحیح ثابت ہوں۔

قرآن کریم اس بات پر گواہ ہے کہ عذاب ادنےٰ رجوع سے بھی ٹل

جاتا ہے۔ چنانچہ فرعون اور آل فرعون نے عذاب مشاہدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کہا۔

يَا أَيُّهَا السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۔ (سورہ زخرف ۵/۵)

کہ اے جادوگر اپنے رب سے ہمارے لئے اس عہد کے مطابق دعا کر جو اس نے تجھ سے کیا ہے۔ ہم یقیناً ہدایت پانے والے ہوں گے۔ پس جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو ناگاہ وہ عہد توڑ دیتے ہیں۔

دیکھو فرعون اور آل فرعون نے موسیٰؑ پر ایمان لانے کا صرف وعدہ کیا وہ ابھی تک آپ کو جادوگر کہہ رہے تھے۔ لیکن چونکہ وہ موسیٰ علیہ السّلام سے دعا کرانے کی طرف متوجہ ہو گئے اور یہ کہا کہ ان سے عذاب ٹل جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے اور خدا تعالےٰ خوب جانتا تھا کہ وہ عذاب ٹل جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ لیکن اس نے فرعون اور اس کی قوم کو اس ادنیٰ رجوع کا بھی فائدہ دے دیا۔ اور ایک عرصہ کے لئے عذاب ان سے ٹال دیا۔ پس جب عذاب ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل جاتا ہے تو عبداللہ آتھم کے لئے رجوع کے معنے اسلام لا کر کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کا ظاہری طور پر مسلمان ہونا ضروری نہ تھا۔ بلکہ سنت اللہ کے مطابق تو اس سے رجوع کی ادنےٰ حالت سے بھی عذاب ٹل سکتا تھا۔

اس لئے اس رجوع یا اسلام لانے کی جو توجیہہ حضرت اقدسؑ نے انوار الاسلام صفحہ ۵ پر بیان فرمائی ہے وہی ایک درست توجیہہ ہے۔ اور کرامات الصادقین کی عبارت اس کے خلاف نہیں چنانچہ آپ

لکھتے ہیں :۔ کہ

"جو شخص عظمت اسلام کو رد نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا خوف اس پر غالب ہوتا ہے۔ وہ ایک طور سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگرچہ ایسا رجوع عذاب آخرت سے نہیں بچا سکتا۔ مگر عذاب دنیوی میں بے باکی کے دنوں تک ضرور تاخیر ڈال دیتا ہے۔ یہی وعدہ قرآن کریم اور بائیبل میں موجود ہے۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ سنت اللہ کے مطابق ضروری نہ تھا کہ عذاب ٹلنے کے لئے عبداللہ آتھم ضرور ظاہری طور پر بھی اسلام قبول کر لیتا۔ پس اس کا رجوع یا اسلام ایک باطنی امر ضرور تھا۔ جو اس سے عذاب کے سنت اللہ کے مطابق ٹلنے کا موجب ہو گیا۔ اور پیشگوئی کے پیش آمدہ واقعات نے اس کی جس توجیہہ کو ثابت کیا ہے وہی پیشگوئی میں عنداللہ اصل منشا رجوع تھی۔ جس سے عذاب ٹل سکتا تھا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کرامات الصادقین میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ ظاہری طور پر اسلام لے آئے گا۔ اگر آپ نے ایسا لکھ بھی دیا ہوتا۔ تو یہ امر ایک اجتہادی ہوتا جس میں خطا کے واقع ہو جانے پر مجتہد پر کوئی اعتراض اور مواخذہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ پیشگوئیوں کی صحیح تعبیر دراصل واقعات ہی کرتے ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث جس میں اطولکن یداً کی پیشگوئی ہے۔ اس کی تعبیر پہلے ہاتھوں کی ظاہری لمبائی سمجھی گئی۔ جو ازواج مطہرات کے ہاتھ ناپنے سے ظاہر ہے۔ لیکن جب حضرت زینب رضی اللہ

عنہا کی وفات ہوئی جو لمبے ہاتھوں والی نہ تھیں تو اس پر حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ فرماتی ہیں بعد میں ہمیں اس پیشگوئی کی اصل حقیقت سمجھ میں آئی۔ کہ لمبے ہاتھوں سے مراد صدقہ دینا تھی۔ (نہ کہ ظاہری لمبائی) کیونکہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پہلے ہوئی اور وہ صدقہ دینے میں بہت رغبت رکھتی تھیں۔ اب کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے وفات پانے پر یہ نئی توجیہہ اور تاویل کرنے کا صحابہ کو کوئی حق نہ تھا۔ یا یہ توجیہہ چونکہ حضرت زینب رض کی وفات کا واقعہ پیش آجانے پر کی گئی ہے۔ لہٰذا پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ ہرگز نہیں۔

بس کرامات الصادقین کی عبارت کی رو سے حافظ صاحب نے جو اعتراض پیدا کیا ہے۔ وہ سراسر باطل ہے۔ أطولکن یدًا کی پیشگوئی کا میں نے اس لئے بھی ذکر کیا ہے۔ کہ حافظ صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کی بعض توجیہات متعلقہ پیشگوئی کو وقت گذر جانے پر گھڑ جانے والی قرار دے کر لغو اور فضول ٹھہرایا ہے۔

حافظ صاحب غور فرمالیں کہ اطولکنّ یدًا کی جو توجیہہ حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا "علمنا بعد انما کان طول یدھا الصدقۃ" (بخاری کتاب الزکوٰۃ) کے الفاظ میں بیان فرما رہی ہیں۔ وہ بھی واقعہ کے ظہور پر بعد کی توجیہہ ہے۔ جسے بعد از وقت ہونے پر حافظ صاحب لغو اور فضول قرار نہیں دے سکتے۔

پس اگر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا لکھ بھی دیتے کہ وہ ظاہری طور پر اسلام لے آئے گا تو موت سے بچ جائے گا تو پھر بھی آپ پر کوئی الزام قائم نہیں ہو سکتا۔ جو آپ کی ماموریت کے دعوے میں حارج ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس کا ظاہری طور پر اسلام لانا نہیں لکھا۔ کیونکہ رجوع کا اصل تعلق دل سے ہوتا ہے

آخری گذارش

اب ہم حافظ صاحب کے تمام الزامات اور اعتراضات اور سوالات کے جوابات سے فارغ ہو کر جہاں سلیم الفطرت قارئین کرام سے یہ گذارش کرتے ہیں۔ کہ وہ ہماری اس کتاب کا مطالعہ کر کے اصل حقیقت تک پہنچنے کی کوشش فرمائیں۔ وہاں حافظ محمد ابراہیم صاحب سے بھی التماس کرتے ہیں کہ خدارا تعصب کی عینک اتار کر ایک راستباز پر جھوٹ بہتے کے الزامات سے رجوع کر لیں۔ اور اپنی عاقبت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ اور اپنی بقیہ زندگی کسی مفید اسلامی خدمت میں صرف کریں۔

مراد ما نصیحت بود و گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

ضمیمہ

حافظ محمدؐ ابراہیم کمیرپوری کے وساوس کا ازالہ

ہم حافظ محمد ابراہیم صاحب جامع بدّو مکھی کتابچہ "مرزائے قادیان کے دس جھوٹ" کے جواب سے خدا کے فضل سے فارغ ہو چکے ہیں۔ حافظ صاحب نے اپنے اس کتابچہ کے اخیر میں لکھا ہے:۔

"ممکن ہے کہ مرزائی جماعت کے جواب اور ہمارا جواب الجواب مطالعہ کرنے کے بعد کوئی صاحب دیانتداری سے یہ رائے قائم کریں کہ دس جھوٹوں سے فلاں فلاں کو جھوٹ کہنا زیادتی ہے۔ یہ صرف معلومات کی لغزش یا محض حوالہ کی غلطی ہے۔ اگرچہ ہم ان تمام عذرات کا جواب پوری

تفصیل سے دے چکے ہیں۔ تاہم ایسے احباب کے افادہ کے لئے ہم مرزا صاحب کے لٹریچر سے ان کے جھوٹ اور غلط بیانی کی پانچ اور مثالیں پیش کئے دیتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ مرزائی دوست بھی ان پر غور فرمائیں گے۔"

حافظ صاحب کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ وہ خود محسوس کرتے ہیں۔ کہ ان کا جواب الجواب پڑھنے کے بعد دیانتداری سے ان کے بیان کے خلاف رائے قائم کرنے کا امکان بھی موجود ہے لہٰذا وہ لوگوں کو یہ تسلی دلانے کے لئے کہ (معاذ اللہ) حضرت مرزا صاحب نے ضرور جھوٹ بولا ہے۔ پہلی دس مثالوں کو ناکافی سمجھتے ہوئے نیچے پانچ مثالیں اور پیش کرتے ہیں۔ ہم ان کے ان پانچ جھوٹوں کی حقیقت ذیل میں اختصار سے واضح کرتے ہیں۔

اعتراض اوّل

حافظ صاحب براہین احمدیہ سے ذیل کی عبارت درج کرتے ہیں۔

"براہین احمدیہ میں سولہ برس پہلے بیان کیا گیا تھا۔ کہ خدا تعالے میری تائید میں خسوف و کسوف کا نشان ظاہر کرے گا۔"

تحفہ گولڑویہ ص۱۱

اس پر حافظ صاحب لکھتے ہیں:۔

ہمارا دعوےٰ ہے کہ مرزا صاحب نے اتفاقیہ خسوف و کسوف واقع ہو جانے پر یہ غلط بیانی کی ہے۔ براہین احمدیہ میں قطعاً یہ ذکر نہیں کہ مرزا صاحب کی تائید کے لئے کسی

موقعہ پر چاند اور سورج کو گرہن ہوگا۔"

الجواب اس کے جواب میں واضح ہو کہ اسی کتاب تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۱۸۷ ایڈیشن اول پر حضرت اقدس نے براہین احمدیہ کی اپنی اس پیشگوئی کے الہامی الفاظ مع تشریح خود ہی نقل بھی فرما دئے ہیں۔ مگر حافظ صاحب نے ان کی تشریح کو نظر انداز کر کے محض اعتراض کی خاطر جھوٹ کا الزام دے دیا ہے۔ دیکھئے براہین احمدیہ کے زمانہ میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا تھا۔

قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم مومنون
قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم مسلمون
قالوا انّٰی لک ھٰذا ان ھٰذا الا سحر یوثر
وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر

ترجمہ۔ ان الہامات کا یہ ہے۔ کہ کہہ دو میرے پاس اللہ کی ایک شہادت ہے۔ کیا تم ایمان لانے والے ہو۔ اور کہہ دو کہ میرے پاس اللہ کی ایک شہادت ہے۔ کیا تم تسلیم کرنے والے ہو (ان شہادتوں پر) انھوں نے کہا (یعنی وہ کہیں گے) یہ باتیں تجھے کہاں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ یہ تو ایک سحر (فریب) ہے۔ جسے اختیار کیا جا رہا ہے۔ اگر وہ کوئی نشان دیکھتے ہیں۔ تو اعراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ تو ہوا ہی کرتا ہے۔ (صفحہ ۲۴۱ ایڈیشن اول)

ان الہامات کی تشریح میں حضرت اقدس ضمیمہ تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب اس پیشگوئی میں خدا تعالیٰ نے اس کسوف وخسوف

کی طرف اشارہ فرمایا۔ جو اس پیشگوئی سے کئی سال بعد وقوع میں آیا جو کہ مہدی معہود کے لئے قرآن شریف اور حدیث دار قطنی میں بطور نشان مندرج تھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس کسوف وخسوف کو دیکھ کر منکر لوگ یہی کہیں گے۔ کہ یہ کچھ نشان نہیں۔ یہ ایک معمولی بات ہے یاد رہے۔ کہ قرآن شریف میں اس کسوف خسوف کی طرف آیت جمع الشمس والقمر میں اشارہ ہے اور حدیث میں اس کسوف خسوف کے بارہ میں امام باقر کی روایت ہے۔ جس کے یہ لفظ ہیں ان لمھدینا آیتین اور عجیب تر بات یہ ہے کہ براہین احمدیہ میں واقعہ کسوف وخسوف سے قریباً پندرہ برس پہلے اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ اور یہ بھی بتلایا گیا اور کہیں گے یہ ہمیشہ ہی ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی صورت جب سے کہ دنیا ہوئی کبھی پیش نہیں آئی کہ کوئی مہدی کا دعوے کرنے والا ہو۔ اور اس کے زمانہ میں کسوف خسوف ایک ہی مہینہ میں یعنی رمضان میں ہو۔ اور یہ فقرہ جو فرمایا گیا۔ کہ قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم مومنون۔ قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم مسلمون۔ اس میں ایک شہادت سے مراد کسوف شمس ہے۔ اور دوسری شہادت سے مراد خسوف قمر ہے۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶ ایڈیشن سوم)

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ براہین احمدیہ کے ان الہامی فقروں میں آپ کے نزدیک جن دو شہادتوں کی طرف اشارہ ہے۔ وہ درحصل کسوف شمس اور خسوف قمر کا نشان تھا بے شک ان الہامات کے متعلق یہ حقیقت آپ پر ان ہر دو نشانوں کے ظاہر ہونے پر ہی کھلی ہے۔ لیکن حافظ صاحب کو اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلط بیانی یا جھوٹ قرار دینے کا کوئی حق نہیں۔ اگر پیشگوئی پوری ہونے پر ملہم اپنی کسی الہامی پیشگوئی کو واقعہ کے ظہور پر اس واقعہ پر چسپاں کرے تو یہ اس کی غلط بیانی اور جھوٹ کیونکر ہوا۔ پیشگوئیوں کے بارہ میں کئی مثالیں ایسی موجود ہیں۔ کہ وہ جب وقوع میں آئیں تو پھر ان کی اصل حقیقت کھلی۔ کیا ان کے متعلق بھی حافظ صاحب یہی اعتراض کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر وہ بے انصافی سے کام نہ لیں۔

دیکھئے حدیث میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ تم میں سے لمبے ہاتھوں والی مجھے پہلے ملے گی (یعنی پہلے وفات پائے گی) اس پر آپ کی موجودگی میں ہی ازواج مطہرات نے ترسل سے اپنے ہاتھ ناپے تو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے پائے گئے۔ لیکن جب ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات سب سے پہلے ہوئی تو ام المومنین

حاشیہ عہ:۔ حدیث کے الفاظ اخذوا قصبةً یذرعونها میں اخذوا اور یذرعون دونوں مذکر کے صیغے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی پر دال ہیں۔

حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ عَلِمْنَا بَعْدُ اِنَّمَا كَانَتْ طُولَ يَدِهَا الصَّدَقَةُ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقہ)

یعنی حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی ہیں کہ اس بات کا ہمیں بعد میں علم ہوا کہ لمبے ہاتھوں سے اس پیشگوئی میں مراد سخاوت کرنا تھی۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے كَانَتْ زَيْنَبُ اَطْوَلَنَا يَدًا اِلَّا اَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ وَتَتَصَدَّقُ۔

یعنی زینب رضی اللہ عنہا ہم میں سے سب سے لمبے ہاتھوں والی تھیں کیونکہ وہ ہاتھ سے کام کر کے صدقہ دیا کرتی تھیں۔

گویا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے ہوئی نہ کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی جن عہ کے ہاتھ ظاہری طور پر لمبے تھے اور انہوں نے علی اختلاف روایات حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی

امید ہے کہ حافظ صاحب اس پیشگوئی کے متعلق کبھی یہ کہنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے معاذ اللہ غلط بیانی اور جھوٹ سے کام لیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے واقعہ کے ظہور پر ہی اس پیشگوئی کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر چسپاں کیا ہے۔

لہٰذا حضرت مرزا صاحب کے کسوف و خسوف کے ظہور پر اپنی اس پیشگوئی کو اس واقعہ سے متعلق قرار دینے پر آپ ان پر جھوٹ بولنے کا الزام کیوں لگاتے ہیں۔

حدیث نبوی کی پیشگوئی کے ظاہری الفاظ اطولکن ید اً کے لحاظ سے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو پہلے وفات پانا چاہیئے تھا۔ اب اگر حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس توجیہہ کو قبول نہ کیا جائے کہ لمبے ہاتھوں سے مراد دراصل سخاوت تھی۔ تو پھر تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی پوری ہی نہیں ہوئی مجھے یقین ہے کہ حافظ صاحب اس پیشگوئی کے بارہ میں حضرت عائشۃ الصدیقہ

عہ دیکھو حدیث مذکور پر حاشیہ بخاری مجتبائی:۔

کی تاویل کو قبول کریں گے۔ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا حضرت اقدس پر جھوٹ بولنے کا جو الزام وہ دے رہے ہیں۔ یہ ان کی صریح زیادتی ہے۔

اعتراض دوم تحفہ گولڑویہ صٓ۲۵ : میں لکھا ہے۔

"کسی دوسرے مدعی مہدویت کے وقت میں کسوف و خسوف رمضان میں آسمان پر نہیں ہوا۔"
(تحفہ گولڑویہ صٓ۲۵)

اس پر حافظ صاحب لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب نے اس فقرہ میں غلط بیانی کی اور اپنے ناظرین کو فریب میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی ہے۔
ڈاکٹر عبد الحکیم ہوشیار پوری نے اپنی کتاب الذکر الحکیم صٓ۶ کے آخر میں مدعی مہدویت حضرات کی ایک طویل فہرست شائع کردی تھی۔ جن کے زمانہ میں رمضان شریف کے اندر سورج اور چاند کو گرہن ہوا۔ اس کا جواب آج تک مرزائی جماعت نہ دے سکی"

الجواب حضرت اقدس پر فریب دینے کا الزام لگانے میں حافظ صاحب نے اس بارہ میں حضرت اقدس کی ایک اور پیشگوئی کو پورا کردیا ہے۔ کیونکہ آپ کا الہام بتاتا ہے۔ کہ منکرین آپ سے سحر یوثر اور سحر مستمر یعنی فریب قرار دیں گے۔ رہا ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب کا فہرست پیش کرنے کا معاملہ سو ان کے محض فہرست پیش کردینے سے کیا بنتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس فہرست کو کسی دلیل کے ساتھ پیش نہیں کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ ان کی طرف سے کسی

مدعی مہدویت کا دعوےٰ اس کی اپنی کتاب سے دکھایا جاتا اور پھر یہ ثابت کیا جاتا کہ اس کے دعوے کے بعد رمضان شریف میں چاند و سورج کو انھیں تاریخوں میں گرہن لگا تھا۔ اور اس مدعی نے اسے اپنے لئے بطور نشان پیش کیا تھا۔ ان امور کا ثبوت نہ ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب نے دیا ہے اور نہ حافظ صاحب نے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی بے جا ہے۔

حدیث دار قطنی کے الفاظ اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ'' میں لام افادہ کا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ مہدی کے فائدے کے لیئے یہ دونوں نشان ظاہر ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہدی ان دونو نشانوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ لہٰذا اس بات کا قطعی ثبوت ہونا چاہیئے۔ کہ کسی شخص نے مہدی موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اور اس کے بعد رمضان شریف میں مقررہ تاریخوں پر خسوف و کسوف بھی ہوا۔ اور پھر اس نے خسوف و کسوف کو اپنے لئے بطور نشان پیش کر کے اس سے فائدہ بھی اٹھایا ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چشمۂ معرفت کے صٓ۳۱۲، صٓ۳۱۳ کے حاشیہ پر اس بارہ میں فرماتے ہیں۔

"ہمیں اس بات سے بحث نہیں کہ ان تاریخوں میں کسوف خسوف رمضان کے مہینے میں ابتدائے دنیا سے آج تک کتنی مرتبہ واقع ہوا ہے۔ ہمارا مدعا صرف اس قدر ہے۔ کہ جب سے نسل انسانی دنیا میں آئی ہے۔ نشان کے طور پر خسوف کسوف صرف میرے زمانہ میں میرے لئے واقع ہوا ہے۔ اور مجھ سے پہلے کسی کو یہ اتفاق نصیب نہیں ہوا کہ ایک طرف تو اس نے

مہدی موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اور دوسری طرف اس کے
دعوے کے بعد رمضان کے مہینے میں مقررہ تاریخوں میں
خسوف کسوف بھی واقع ہوگیا۔ اور اس نے اس کسوف
خسوف کو اپنے لئے ایک نشان ٹھہرایا ہو۔ دار قطنی کی حدیث
میں یہ تو کہیں نہیں ہے۔ کہ پہلے کبھی کسوف خسوف نہیں
ہوا۔ کیونکہ لم تکونا کا لفظ مؤنث کے صیغہ کے ساتھ
دار قطنی میں ہے۔ جس کے یہ معنے نہیں۔ کہ ایسا نشان کبھی ظہور
میں نہیں آیا۔ اور اگر یہ مطلب ہوتا۔ کہ کسوف خسوف پہلے
کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ تو لفظ لم یکونا مذکر کے صیغہ سے
چاہیئے تھا۔ نہ کہ لم تکونا جو مؤنث کا صیغہ ہے جس
سے صریح معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد آیتین ہے یعنی
دو نشان کیونکہ یہ مؤنث کا صیغہ ہے۔
پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پہلے بھی کئی دفعہ خسوف
کسوف ہو چکا ہے۔ اس کے ذمہ بار ثبوت ہے۔ کہ وہ
ایسے مدعی مہدویت کا پتہ دے۔ جس نے اس کسوف خسوف
کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا ہو۔ اور یہ ثبوت یقینی اور قطعی
چاہیئے۔ اور یہ صرف اس صورت میں ہوگا۔ کہ ایسے مدعی
کی کوئی کتاب پیش کی جائے جس نے مہدی موعود ہونے
کا دعوےٰ کیا ہو۔ اور نیز یہ لکھا ہو۔ کہ خسوف کسوف جو
رمضان میں دار قطنی کی مقرر کردہ تاریخوں کے مطابق
ہوا ہے۔ وہ میری سچائی کا نشان ہے۔ غرض خسوف

کسوف خواہ ہزاروں مرتبہ ہوا ہو۔ اس سے بحث نہیں نشان
کے طور پر ایک مدعی کے وقت صرف ایک دفعہ ہوا ہے
اور حدیث نے ایک مدعی مہدویت کے وقت میں اپنے
مضمون کا وقوع ظاہر کر کے اپنی صحت اور سچائی کو ثابت
کر دیا۔" (چشمہ معرفت ص۳۱۴-۳۱۵)

اس عبارت کے خط کشیدہ الفاظ میں حافظ صاحب کے اعتراض
کا جواب موجود ہے۔ اس میں ڈاکٹر عبد الحکیم کی پیش کردہ فہرست کا جواب
بھی آگیا ہے۔ پس حافظ صاحب کی یہ بات درست نہیں کہ اس کا جواب
آج تک مرزائی جماعت نہ دے سکی۔ حالانکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کی طرف سے محولہ عبارت کے خط کشیدہ الفاظ میں حافظ صاحب کے اعتراض
اور ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کی اس فہرست کا قطعی جواب موجود ہے۔

اعتراض سوم حافظ صاحب ایام الصلح کے ص۱۱ سے حضرت
اقدس کی ذیل کی عبارت پیش کرتے ہیں:۔
"آنحضرت صلعم کو والدین سے مادری زبان سیکھنے کا موقعہ نہ
ملا۔ کیونکہ چھ ماہ کی عمر تک دونوں فوت ہو چکے تھے"
اس پر حافظ صاحب لکھتے ہیں:۔
"یہ بھی مرزا صاحب کا جھوٹ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے
والد محترم تو ولادت سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے۔ اور
والدہ محترمہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آنحضرت صلعم
عمر مبارک کے ساتویں سال میں تھے۔ ملاحظہ ہو۔"
(زاد المعاد جلد اول ص۱۷ مطبوعہ مصر)

الجواب اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ اس عبارت میں چھ ماہ کی عمر تک کے الفاظ میں کتابت کی غلطی سے چھ سال کی بجائے چھ ماہ لکھا گیا ہے۔ حضرت اقدس کو چھ سال کی بجائے چھ ماہ لکھنے میں کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا۔ آخر جھوٹ بولنے میں بھی تو بولنے والے کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ اگر زاد المعاد میں یہ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات ہوئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں سال میں تھے۔ تو بعض تاریخوں میں اس روائت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ جو چھ سال میں ان کے وفات پانے کا ذکر کرتی ہے۔ چنانچہ سیرۃ الحلبیہ ص۱۱۰ جزو اول میں ہے:۔

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَتْ أُمُّهُ لَمَّا بَلَغَ سِتَّ سِنِيْنَ

کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے اس وقت وفات پائی جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چھ سال کی عمر کو پہنچے۔ یہ روائت مصنف کے نزدیک یقینی ہے۔ اس لئے اسے وہ إِنَّ کے لفظ کے ساتھ بیان کرتا ہے جو تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کے بعد قِيْلَ کے لفظ کے ساتھ جو ضعف پر دلالت کرتا ہے مصنف نے چار سال۔ پانچ سال۔ سات سال۔ آٹھ سال۔ نو سال بلکہ بارہ سال ایک ماہ اور دس دن کی روائتیں بھی بیان کی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی وفات کے متعلق بھی تاریخی روائتوں میں اختلاف ہے۔ بعض میں ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد وفات پانے کا ذکر ہے۔ چنانچہ سیرت حلبیہ

؏ حضرت اقدس کی یہ بات صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مادری زبان نہیں سیکھی کیونکہ چند ماہ کی عمر میں دایہ حلیمہ سعدیہ آپ کو اپنے ہاں لے گئی تھیں۔ اور آپ نے قبیلہ بنو سعد کی زبان سیکھی۔

جزء اول ص۷۳ پر لکھا ہے:۔

قِيْلَ إِنَّ مَوْتَ وَالِدِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَعْدَ أَنْ تَمَّ لَهَا مِنْ حَمْلِهَا شَهْرَانِ وَقِيْلَ قَبْلَ وِلَادَتِهِ بِشَهْرَيْنِ وَقِيْلَ كَانَ فِي الْمَهْدِ حِيْنَ تُوُفِّيَ أَبُوْهُ ابْنَ شَهْرَيْنِ

کہ کہا گیا ہے کہ آپ کے والد نے اس وقت وفات پائی جبکہ حضرت آمنہ رض کو حمل ہونے پر دو ماہ گذر رہے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ آپ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے وہ وفات پا گئے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ گہوارہ میں تھے۔ جبکہ آپ کے والد نے وفات پائی۔ اس وقت آپ دو ماہ کے تھے۔ یہ آخری روایت السہیلی کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ عَلَيْهِ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ کہ اکثر علماء اس روایت کو مانتے ہیں۔

اعتراض چہارم

حافظ صاحب حضرت اقدس کی کتاب حقیقۃ الوحی ص۲۱۴ سے ذیل کی عبارت درج کرتے ہیں۔

"عرصہ بیس یا اکیس برس کا گذر گیا ہے۔ کہ میں نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا۔ کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں چار لڑکے دوں گا۔ جو عمر پائیں گے"

اس عبارت پر حافظ صاحب کے اعتراض کے دو پہلو ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے

"حقیقت یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے چار لڑکے موجود پا کر خدا تعالے پر جھوٹ بولا ہے۔ ہمارا دعوے ہے کہ مرزا صاحب کو اس مضمون کا کوئی الہام نہ ہوا تھا۔ مرزائی جماعت

کو ہمارے دعوے سے اختلاف ہو۔ تو مرزا صاحب کے
لٹریچر سے اس مضمون کا الہام ثابت کر دکھائیں۔"

دوسرا پہلو یہ ہے کہ

"اگر چار لڑکوں کے عمر پانے کا وعدہ تھا۔ تو پھر صاحبزادہ
مبارک احمد صاحب آٹھ سال کی عمر میں وفات کیوں پاگئے
اب مرزائی جماعت کو اختیار ہے۔ کہ مرزا صاحب کو غلط گو
کہے۔ یا ان کے الہام کو غلط قرار دے۔"

پہلے پہلو کا جواب

(۱) حافظ صاحب کا یہ دعویٰ کہ مرزا صاحب کو
اس مضمون کا کوئی الہام نہیں ہوا تھا۔ بدیں وجہ
باطل ہے۔ کہ اس مضمون کا الہام حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام
کے لٹریچر میں ضرور موجود ہے۔ چنانچہ ۱۸۸۳ء میں حضرت اقدسؑ کو
الہام ہوا تھا۔ "یقین کو چار کرنے والا مبارک۔" (دیکھو نزول المسیح صفحہ ۱۹۶)
اس الہام میں آپ کے ہاں مشترک طور پر چار لڑکے پیدا ہونے
کی بشارت دی گئی۔ اور چوتھے کا نام بھی الہام نے مبارک رکھ دیا
پھر ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے الہام میں اللہ تعالیٰ نے مصلح موعود کی
پیشگوئی کے ذکر میں آپ کے ہاں چار لڑکے ہونے کے الہام کو ان الفاظ
میں دہرایا۔ کہ:۔

"وہ تین کو چار کرے گا۔" (دیکھو اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء)

پس حافظ صاحب کا یہ دعوے سراسر باطل ہے۔ کہ احمدیہ لٹریچر
میں اس مضمون کا الہام درج نہیں۔ اور یہ کہ "مرزا صاحب نے
اپنے چار لڑکے موجود پا کر خدا تعالےٰ پر جھوٹ بولا ہے۔" کیونکہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے اس ذوالوجوہ الہامی
فقرہ کے متعلق کہ "وہ تین کو چار کرے گا۔" چوتھے لڑکے کے پیدا
ہونے سے پہلے اپنی کتاب ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۴،۱۵ پر لکھتے ہیں۔

"پھر ایک اور الہام ہے جو فروری ۱۸۸۶ء میں شائع
ہوا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ "خدا تین کو چار کرے گا۔" اس
وقت ان تین لڑکوں کا جواب موجود نہیں۔ نام و نشان
نہ تھا۔ اور اس الہام کے یہ معنے تھے کہ تین لڑکے ہونگے
اور پھر ایک اور ہوگا۔ جو تین کو چار کرے گا۔ سو ایک
بڑا حصہ اس کا پورا ہو گیا۔ یعنی خدا نے تین لڑکے مجھ کو
اس نکاح سے عطا کئے جو تینوں موجود ہیں۔ صرف ایک
کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والا ہے۔ دیکھو یہ کیسا
بزرگ نشان ہے۔ کیا انسان کے اختیار میں ہے۔ کہ اول
افترا کے طور پر تین یا چار لڑکوں کی خبر دے اور پھر
وہ پیدا بھی ہو جائیں۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے چار
لڑکے موجود پا کر خدا پر کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ بلکہ خدا تعالےٰ نے آپ سے
پہلے وعدہ کر رکھا تھا۔ کہ میں چار لڑکے دوں گا۔ اور چوتھے کی پیدائش
سے پہلے اس عبارت میں آپ اس الہام کا ذکر فرما رہے ہیں اور بتا رہے ہیں
انسان یہ افترا نہیں کر سکتا۔ کہ اول تین یا چار لڑکوں کی خبر دے۔ اور وہ
پیدا بھی ہو جائیں۔ مگر حافظ صاحب آنکھیں بند کرکے حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۸
کی عبارت میں چار لڑکوں کے پیدا ہونے کی خبر کو چار لڑکوں کو موجود پا کر

حضرت اقدس علیہ السلام کو خدا پر جھوٹ بولنے والا قرار دے رہے ہیں
حالانکہ حضرت اقدس علیہ السلام نے تو اس جگہ فروری ۱۸۸۶ء کے
اشتہار کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔ جس میں اس الہام کا ذکر تھا۔

لیکن اگر بالفرض آپ نے اپنی کسی تحریر میں اپنے ہاں چار لڑکوں
کے پیشگوئی کے موجود ہونے کا ذکر نہ بھی کیا ہوتا تب بھی حافظ صاحب کو
یہ کہنے کا حق نہ پہنچتا کہ مرزا صاحب نے چار لڑکے موجود پا کر خدا تعالیٰ
پر جھوٹ بولا ہے کیونکہ حافظ صاحب یہ تب کہہ سکتے تھے جبکہ ایسا الہام پہلے
سے موجود نہ ہوتا۔ مگر ایسا الہام تو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں
شائع شدہ موجود ہے کہ وہ تین کو چار کرے گا۔ یہ الہام جہاں چار لڑکوں
کے آپ کے ہاں پیدا ہونے کی بشارت دیتا ہے وہاں اپنے سیاق و سباق
کے لحاظ سے مصلح موعود کی پیشگوئی پر بھی مشتمل ہے۔ اِسی لئے میں نے اس
فقرہ کو ذوالوجوہ لکھا ہے۔ کیونکہ یہ جہاں ایک معنے سے آپ کے ہاں چار
لڑکوں کے ہونے کی بشارت دیتا ہے وہاں دوسرے معنی سے مصلح موعود
کی علامتوں میں سے ایک علامت بھی ہے اور بتا رہا ہے کہ مصلح موعود ان
چار لڑکوں میں سے ایک لڑکا ہے۔ جس کے ذریعہ بعض خاص معنوں
میں تین چار کئے جائیں گے۔ ان خاص معنوں کا انکشاف حضرت اقدس
علیہ السلام نے واقعات کے ظہور پر چھوڑا ہے۔ اور اس بارہ میں اجمالاً
تریاق القلوب میں تحریر فرمایا ہے۔

"الہام یہ بتلاتا تھا۔ کہ چار لڑکے پیدا ہوں گے۔ اور ایک
کو ان میں سے ایک مردِ مسیح صفت الہام نے بیان کیا ہے"
(تریاق القلوب صـ۱۴۱)

گویا مصلح موعود ان چاروں لڑکوں میں سے ایک ہے نہ کہ چوتھا لڑکا
چنانچہ یہ اجتہاد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درست نکلا
ہے۔ کیونکہ چوتھا لڑکا تو آٹھ سال اور چند ماہ کی عمر میں وفات پا کر
اس حقیقت کو واقعاتی شہادت سے واضح کر گیا۔ کہ وہ مصلح موعود نہ
تھا۔ کیونکہ مصلح موعود نے بہرحال لمبی عمر پانا تھی۔ کیونکہ اس کے لئے ایک
لمبا پروگرام ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے طویل الہام نے بتا رکھا تھا۔ یہ
پیشگوئی خدا کے فضل سے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح
الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے وجود میں پوری ہوئی۔ اور پھر ان کے
ہاتھ پر حضرت مرزا سلطان احمد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بڑے
صاحبزادے بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ اور اس طرح
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے مسیح موعود کے تین بیٹوں کو
روحانی طور پر چار کر دیا۔ اس کے علاوہ کئی اور معنوں میں بھی یہ الہام پورا
ہو چکا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

واضح رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے ہاں چار
لڑکوں کے پیدا ہونے کا مشترک الہام ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۶ء میں ہوا تھا
اور ۱۸۸۶ء کے الہام کے ایک معنے آپ یہ سمجھتے تھے کہ میرے ہاں چار
لڑکے پیدا ہوں گے پھر اس کے علاوہ ہر ایک لڑکے کی پیدائش سے
پہلے آپ کو الگ الگ الہام بھی ہوا جسے آپ نے علیحدہ علیحدہ اشتہارات
و کتب میں شائع فرمایا۔ اس لحاظ سے بھی حافظ ابراہیم صاحب کا یہ بیان
بے فروغ ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے چار لڑکے موجود پا کر خدا تعالےٰ پر
جھوٹ بولا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ چاروں لڑکوں

کے متعلق آپ کی پیشگوئی ان کی پیدائش سے پہلے مشترک بھی موجود ہے اور پھر ہر ایک لڑکے کے متعلق اس کی پیدائش سے پہلے الگ الگ الہام بھی موجود ہے۔

چنانچہ پہلے لڑکے کے متعلق دس جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں ان الفاظ میں پیشگوئی شائع فرمائی۔

"(۲) ایک اور (بشیر اول کے علاوہ) لڑکا ہونے کا قریب مدت میں وعدہ دیا ہے جس کا نام محمود احمد ہے۔ جو اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ یخلق اللّٰہ ما یشاء۔"

اور اسی لڑکے کے متعلق کشفی طور پر اس کا نام "محمود" مسجد کی دیوار پر لکھا ہوا بھی دکھایا گیا۔"

(دیکھو سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

ان دو پیشگوئیوں کے مطابق ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو ہمارے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی چنانچہ آپ کی ولادت کی خبر حضرت اقدس نے اس اشتہار میں درج کی جس کا عنوان "تکمیل تبلیغ" ہے۔ اور جس میں دس شرائط بیعت درج ہیں۔

مسجد کی دیوار پر آپ کا نام محمود دکھایا جانا آپ کے امام جماعت ہونے کی طرف اشارہ تھا۔

دوسرے لڑکے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے متعلق آپ نے اپنی پیشگوئی آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۶۶ پر شائع فرمائی۔ اس پیشگوئی کی تاریخ دس دسمبر ۱۸۹۲ء تھی۔ الہامی الفاظ یہ ہیں۔

"سَیُوْلَدُ لَکَ الْوَلَدُ وَ یُدْنٰی مِنْکَ الْفَضْلُ"

کہ عنقریب تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور فضل تم سے نزدیک کیا جائے گا یعنی وہ خدا کے فضل کا موجب ہوگا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی تین ماہ بعد پوری ہو گئی۔

پھر تیسرے لڑکے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے متعلق ان کی پیدائش سے نو ماہ پہلے ہی خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ کہ ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ خبر دی۔ آپ نے یہ پیشگوئی ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء کو رسالہ انوار الاسلام صفحہ ۲۹ میں شائع فرمادی۔ اور پھر اس کے بعد بتاریخ ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء مطابق ۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اور آپ نے اس لڑکے کے تولد کا ذکر رسالہ ضیاء الحق کے ٹائیٹل کے آخری ورق پر کیا۔

پھر چوتھے لڑکے کے متعلق آپ کو الہام ہوا۔ تو آپ نے رسالہ انجام آتھم کے صفحہ ۱۸۲ میں اس پیشگوئی کو شائع کیا۔ اور لکھا بشرنی ربی برابع وقال انہ یجعل الثلاثۃ اربعۃ کہ خدا نے مجھے چوتھے لڑکے کی بشارت دی اور کہا کہ وہ تین کو چار کرے گا۔ اور اپنے مخالفین کے متعلق لکھا کہ ھل لکم ان تقوموا مزاحمۃ وتمنعوا من ارباع المربعین۔ کہ کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ تم مزاحم ہو کر چار ہونے والوں کو چار ہونے سے روک دو۔ پھر آپ نے اس پیشگوئی کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ کہ مولوی عبدالحق غزنوی جو امرتسر میں مولوی عبدالجبار غزنوی کی جماعت میں رہتا ہے۔ نہیں مرے گا۔ جب تک یہ چوتھا بیٹا پیدا نہ ہولے۔ چنانچہ ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۵۸

پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم عبدالحق کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ نہیں مرے گا جب تک اس الہام کا پورا ہونا بھی نہ سن لے اب اس کو چاہیئے کہ اگر وہ کچھ چیز ہے۔ تو دعا سے اس پیشگوئی کو ٹال دے"

یہ پُر تحدی اور پُر شوکت پیشگوئی خدا تعالےٰ کے فضل سے ۱۴ر جون ۱۸۹۹ء کو مولوی عبدالحق غزنوی کی زندگی میں پوری ہوگئی۔ اب اہلِ انصاف سوچکر دیکھیں کہ یہ کس قدر عظیم الشان نشان ہے جس میں فرزند مذکور کے تولد کو مولوی عبدالحق غزنوی کے زمانۂ حیات سے وابستہ کر دیا گیا تھا۔ پھر ایسا ہی وقوع میں آیا۔ اور اس چوتھے لڑکے کا نام مبارک احمد رکھا گیا۔

دوسرے پہلو کا جواب

۱۸۸۳ء و ۱۸۸۶ء کے مندرجہ بالا دونو الہاموں میں "تین کو چار کرنے والا مبارک" اور "وہ تین کو چار کرے گا" سے حضرت اقدس نے یہ امر استنباط فرمایا۔ کہ یہ چاروں لڑکے عمر پائیں گے۔ گویا چاروں لڑکوں کا عمر پانا آپ نے ان الہامی عبارتوں کا منطوق سمجھا۔ "عمر کا پانا" ایک نسبتی اور اضافی امر ہوتا ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام کا یہ استنباط بالکل درست تھا۔ کیونکہ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے الہامات میں سے یہ الہام بھی تھا کہ بعض لڑکے کم عمری میں بھی فوت ہوں گے۔ اور اس کے مطابق بشیر اول چند ماہ عمر پا کر وفات پاگیا۔ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہامی تفہیم سے "وہ تین کو چار کرے گا" کے الہام میں شامل نہیں فرمایا یہ تفہیم اس بات کے لئے قوی قرینہ تھی کہ حضرت اقدس تین کو چار کرنے والے

الہاموں سے یہ امر مستنبط فرماتے کہ یہ لڑکے عمر پائیں گے۔ اور یہ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ از روئے الہامات ہٰذا چاروں لڑکوں کا ایک وقت میں بقیدِ حیات موجود ہونا ضروری تھا۔ عمر پانا چونکہ نسبتی امر ہے اس لئے پہلے تین لڑکوں نے چوتھے کے مقابل زیادہ عمر پائی ہے اور صاحبزادہ مبارک احمد پسر چہارم نے بشیر اول متوفی کے بالمقابل زیادہ عمر پائی ہے گویا بشیر اول کے بالمقابل یہ چاروں صاحبزادگان عمر پانے والے ثابت ہوئے اور حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۲۱۸ کا بیان درست ثابت ہوا۔ کہ یہ چاروں لڑکے خدائی وعدہ کے مطابق عمر پائیں گے۔ بے شک صاحبزادہ مبارک احمد صاحب پسر چہارم نے اپنے پہلے تین بھائیوں کے بالمقابل تھوڑی عمر پائی ہے۔ لیکن بشیر اول کی عمر کے بالمقابل جو چند ماہ کا ہو کر وفات پاگیا تھا آٹھ سال اور کچھ ماہ عمر پانا بھی عمر پانا ہی کہلائے گا۔

صاحبزادہ مبارک احمد پسر چہارم کا دوسرے تین بھائیوں کے بالمقابل تھوڑی عمر پانا بھی خدا تعالےٰ کے ایک دوسرے الہام کو پورا کر رہا ہے۔ جو صاحبزادہ مبارک احمد کی ذات سے مخصوص تھا۔ وہ خاص الہام یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے صاحبزادہ موصوف کی پیدائش سے پہلے اس کی زبان سے اپنے الہام میں کہا کہ:۔

اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ

میں خدا کے ہاتھ سے زمین پر گرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف جاؤنگا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ الہام اور اس کا مندرجہ بالا ترجمہ درج کرکے اس الہام کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے اپنے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ لڑکا نیک

ہو گا۔ اور رو بخدا ہو گا۔ اور خدا کی طرف اس کی حرکت
ہو گی۔ اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائے گا۔ اس بات کا
علم خدا تعالےٰ کو ہے۔ کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی
بات اس کے ارادہ کے موافق ہے "۔

(تریاق القلوب صفحہ ۴۰)

چونکہ اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے موافق الہام کی دوسری تاویل ہی درست
تھی کہ " یہ جلد فوت ہو جائے گا "۔ لہٰذا صاحبزادہ مبارک احمد
کا آٹھ سال کچھ ماہ عمر پاکر فوت ہو جانا اس دوسرے الہام کو
پورا کرنے کے لئے تھا۔ اور حضرت اقدس کا اس کو چاروں لڑکوں
سے تعلق رکھنے والے "جو عمر پائیں گے" کے فقرہ میں داخل کرنا یہی معنی
رکھتا تھا۔ کہ ایک عرصہ تک یہ چاروں بیک وقت موجود رہیں گے
حضرت اقدس علیہ السّلام اس دوسرے الہام کی موجودگی میں صاحبزادہ
مبارک احمد کے لمبی عمر پانے کا استنباط کر ہی نہیں سکتے تھے صرف
ایک حد تک عمر پانے کا استنباط کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے اسے
بشیر اول سے نسبتاً زیادہ عمر پانے والا ہونے کے لحاظ سے حسب اصول
فقہ "للاکثر حکم الکل" تغلیباً عمر پانے والوں میں داخل قرار دیا
اور اس نے الہام انی اسقط من اللہ و اصیبہٗ کے خدائی وعدہ کے
مطابق عمر پائی۔

حقیقۃ الوحی کے الفاظ "جو عمر پائیں گے" الہامی الفاظ نہیں تھے۔
حضرت اقدس نے ان الفاظ کے الہامی ہونے کا دعوےٰ نہیں فرمایا۔
بلکہ اسے صرف خدا کا وعدہ قرار دیا ہے۔ اور خدائی وعدہ کا لفظ وسیع

مفہوم رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ الہامات سے استنباط کردہ امر پر بھی اطلاق
پاتا ہے۔ اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد نے بشیر اول متوفیٰ کے
بالمقابل کئی گنا زیادہ عمر پائی ہے۔ لہٰذا وہ عمر پانے والا بھی شمار
ہو سکتا ہے اور دوسرے الہام کی رو سے باقی تین بھائیوں کے
بالمقابل جلد فوت ہو جانے والا بھی ہے۔ پس حضرت اقدس علیہ السلام
کا استنباط بھی درست ہوا۔ اور خدائی الہام بھی پورا ہوا۔ لہٰذا
حافظ صاحب کا حضرت اقدس علیہ السلام پر دروغگوئی کا الزام
سراسر باطل ثابت ہوا۔ اگر حافظ محمد ابراہیم صاحب کو اس بات
پر ہی اصرار ہو کہ "جو عمر پائیں گے" کے الفاظ لمبی عمر پر ہی دلالت کرتے
ہیں۔ اور مبارک احمد نے لمبی عمر نہیں پائی۔ تو پھر وہ یوں سمجھ لیں۔ کہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبارک احمد کو لمبی عمر پانے والوں میں
قطعی اور یقینی طور پر شامل نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ اس کے بارہ میں
مخصوص الہام اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ کی موجودگی میں
صرف احتمالاً ہی شامل کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ احتمال بھی ساتھ ہی موجود
تھا۔ کہ ممکن ہے الہام کی دوسری تاویل کے مطابق وہ جلد فوت ہو جائے
پس نہ آپ اس الہام کی موجودگی میں اس کی لمبی عمر پانے کے
بارہ میں قطعی رائے دے سکتے تھے نہ جلد وفات پا جانے کے
بارہ میں قطعی رائے دے سکتے تھے۔ بلکہ جو رائے بھی قائم کرتے اس کے
ساتھ الہام کی دوسری تاویل کا احتمال ضرور لگا رہتا۔

پس خدا تعالےٰ کے ارادہ کے موافق جب اس کی دوسری تاویل
ظاہر ہوئی۔ یعنی وہ جلد وفات پا گیا تو خدائی وعدہ سے جتنی عمر پاتا

اس کے لئے مقدر تھا وہ اسے مل گئی۔

اس سے حضرت اقدس علیہ السلام پر غلط گو ہونے کا الزام ہرگز عائد نہیں ہو سکتا۔ اسے اس صورت میں صرف ایک اجتہادی خطا ماننا پڑے گا۔ جو پہلے انبیاء سے بھی وقوع میں آئی ہے۔ اس جگہ تو زیادہ سے زیادہ آپ کے اجتہاد کے ¼ حصہ میں خطا قرار دینی پڑے گی۔ کیونکہ آپ کے تین لڑکے تو لمبی عمر پا چکے ہیں اور صرف چوتھے نے ۹ سال سے کچھ زیادہ عمر پائی ہے۔ اس طرح اجتہاد کا غالب حصہ درست نکلا۔ اجتہادی خطا کوئی ایسا امر نہیں جس کے وقوع پر کسی مامور من اللہ کو غلط گو قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُونُ خَطَاءً اور آگے لکھا ہے۔ فِي الْحَدِيثِ مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيبُ

(نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی صفحہ ۳۹۲)

ترجمہ۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی اجتہاد کرتے تو اس میں خطا واقع ہو جاتی تھی۔ اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بات میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاؤں (یعنی الہامی الفاظ میں بتاؤں) وہ حق ہے۔ اور جو کچھ اس بات کے بارہ میں اپنی طرف سے (یعنی بطور تشریح) کہوں تو میں انسان ہوں۔ میں خطا بھی کرتا ہوں۔ اور درست اجتہاد بھی کرتا ہوں۔

پھر مجتہد کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

فَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ"

مجتہد اگر درست اجتہاد کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔ (یعنی ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجتہاد کے صحیح ہونے کا) اور اگر اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ (نبراس صفحہ ۵۹۲)

پس جب انبیاء سے بھی اجتہاد میں خطا وقوع میں آ سکتی ہے اور مجتہد کو اس کے غلط اجتہاد پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک اجر پانے والا ہی قرار دیتے ہیں۔ تو پھر حضرت اقدس کی اس اجتہادی خطاء پر حافظ صاحب کا آپ کو دروغ گو کہنا ناانصافی اور ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ جب وہ دوسرے انبیاء کی اجتہادی خطاء پر ان کو دروغ گو اور خدا پر جھوٹ بولنے والا قرار دینے کے لئے تیار نہیں۔ تو حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے لئے انہوں نے دوسرا پیمانہ کیوں بنا رکھا ہے۔ کیوں وہی پیمانہ اس جگہ استعمال نہیں کرتے۔ جو دوسرے انبیاء کے اجتہادی امور کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے۔

اعتراض پنجم ۵ حافظ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب آئینہ کمالات اسلام طبع لاہور کے صفحہ ۲۵۳ کے حاشیہ پر محمدی بیگم صاحبہ کے نکاح کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ کہ

"(۱) مرزا احمد بیگ نے اس الہام کے سننے کے بعد پانچ برس تک اپنی لڑکی کلاں کا کسی جگہ نکاح نہ کیا اور زندہ رہا۔ پھر پانچ برس کے بعد اس نے اس کا ایک جگہ نکاح

کر دیا ۔ اور نکاح کے چوتھے مہینے پیشگوئی کی میعاد میں مر گیا"
اگر کوئی مرزائی ثابت کر دے کہ مرزا احمد بیگ محمدی بیگم
کے نکاح کے بعد چوتھے ماہ مر گیا ۔ تو ہم مرزائی جماعت سے
تحریری معافی مانگ لینگے ۔ کیا ہے کوئی مرزائی جو میدان
میں آئے ۔ اور اپنے حضرت صاحب کی ذات سے جھوٹ
کا الزام دور کرے ۔"

الجواب

اگر حافظ صاحب نے آئینہ کمالات اسلام کو خود پڑھکر یہ
اعتراض کیا ہے ۔ تو پھر سخت ناانصافی سے کام لیا ہے ۔
کیونکہ آئینہ کمالات اسلام میں اس عبارت سے چند صفحات آگے
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محمدی بیگم صاحبہ کے مرزا
سلطان محمد صاحب سے نکاح کی تاریخ ۷ اپریل ۱۸۹۲ء اور اس
کے بعد مرزا احمد بیگ کی وفات کی تاریخ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء درج فرمائی
ہے ۔ یہ درمیانی عرصہ چھ ماہ کا ہے ۔ اس بیان کو سامنے رکھنے سے صاف
ظاہر ہے کہ حاشیہ والی وہ عبارت جو آئینہ کمالات اسلام سے
حافظ صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام پر جھوٹ کا الزام قائم
کرنے کے لئے پیش کی ہے اس میں چھٹے مہینے کی بجائے چوتھے کا لفظ محض
سہو کتابت ہے ۔ اور کتابت کی غلطیوں کا امکان حافظ صاحب کو خود
اپنے کتابچہ میں اس کے صفحہ ۹۵ پر مسلم ہے ۔ اور وہ اس جگہ ایسی
غلطیوں پر اپنے آپ کو معذور قرار دیتے ہیں ۔ پس اگر سہو کتابت
سے حضرت صاحب کی کتاب میں چھٹے مہینے کی بجائے چوتھے مہینے کا
لفظ لکھا گیا جس کی تصحیح اگلے صفحات میں بھی موجود ہے ۔ تو پھر

حافظ صاحب کا یہ ظلم عظیم ہے ۔ کہ چھٹے کی بجائے چوتھے کے لفظ کو آپ کا
جھوٹ بولنا قرار دیں ۔ آخر جھوٹ بولنے والا جھوٹ سے کوئی خاص
فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ۔ اور اس جگہ کوئی ایسا فائدہ تصور میں نہیں
آسکتا ۔ تو پھر آپ کو قصداً چھٹے مہینے کی بجائے چوتھے مہینے کا لفظ
لکھنے کی کیا ضرورت تھی ۔ یہ صرف سہو کتابت ہے ۔ جس کو حافظ
صاحب جھوٹ دکھانا چاہتے ہیں ۔ اگر یہ امر جھوٹ ہے تو پھر اپنی
تحریروں کی غلطی پر انھوں نے کیوں عذر تراشی کی ہے ۔
آئینہ کمالات اسلام مطبوعہ الشرکتہ الاسلامیہ کے صفحہ ۳۲۵ کی ذیل
کی عبارت ملاحظہ ہو ۔

" خدا ترس آدمی سمجھ سکتا ہے ۔ کہ موت و حیات انسان
کے اختیار میں نہیں ۔ اور ایسی پیشگوئی جس میں ایک شخص
کی موت کو اس کی بیٹی کے نکاح کے ساتھ جو غیر سے ہو
وابستہ کر دیا گیا ۔ اور موت کی حد مقرر کر دی کسی انسان
کا کام نہیں ۔ چونکہ یہ الہامی پیشگوئی صاف بیان کر رہی
تھی کہ مرزا احمد بیگ کی موت اور حیات اس کی لڑکی کے
نکاح کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اس لئے پانچ برس تک یعنی
جب تک اس لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح نہ کیا گیا ۔
مرزا احمد بیگ زندہ رہا ۔ اور پھر ۷ اپریل ۱۸۹۲ء میں
احمد بیگ نے اس لڑکی کا نکاح کر دیا ۔ اور بموجب پیشگوئی
کے تین برس کے اندر یعنی نکاح سے چھٹے مہینے میں جو
۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء تھی فوت ہو گیا ۔ اور اسی اشتہار میں

یہ بھی لکھا کہ اگرچہ روزِ نکاح سے موت کی تاریخ تین برس
بتلائی گئی ہے۔ مگر دوسرے کشف سے معلوم ہوا کہ کچھ
بہت عرصہ نہیں گزرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ نکاح
اور موت میں صرف چھ مہینے بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ
رہا یعنی جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں ۷ اپریل ۱۸۹۲ء
میں نکاح ہوا اور ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو مرزا احمد بیگ
اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔"

جو عبارت حافظ صاحب نے اعتراض کی خاطر پیش کی تھی وہ
الشرکۃ الاسلامیہ کی مطبوعہ کتاب کے صفحہ ۲۸۵ کے حاشیہ پر درج ہے
پس اس جگہ اس کے ۹ صفحے بعد حضرت اقدس علیہ السلام کی
ایسی عبارت موجود ہے جو حاشیہ والی عبارت کے لفظ چھٹے مہینے کو
سہو کتابت قرار دینے پر مجبور کرتی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس جگہ چوتھے مہینے کے لفظ کو ہر دیانت دار اور
تقوےٰ شعار سہو کتابت پر ہی محمول کرے گا۔ اور اس کو جھوٹ قرار
دینا حافظ صاحب کی بے انصافی قرار دے گا۔

بالآخر عرض ہے۔ حافظ صاحب کے یہ پانچوں الزامات بھی ان کے
حضرت اقدس کا انکار کرنے کے لئے محض حیلہ تراشی اور بہانہ جوئی
پر مشتمل ثابت ہوئے ہیں۔ ہم تو ان کے خیر خواہ ہی ہیں۔ اس لئے دعا ہے
کہ اللہ تعالےٰ انہیں انصاف کی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔

اللّٰھُمَّ آمین

فہرست مضامین

صحت نامہ

صفحہ	سطر	صحیح لفظ
۲۱	۱۹	پس
۲۳	۱۰	ابہام
۲۳	۱۹	ہوتی
۲۶	۹	سمرہ بن جندب
۲۶	۱۱	اثنی عشر
۲۷	۷	کیونکہ مجددین
۳۰	۱۲	قادیان قران
۳۹	حاشیہ سطر ۳	تبدیلی عقیدہ
۵۱	۱۷	تعالی
۵۶	۱۰	یا
۷۰	۱۳	مکابرہ
۸۶	۸	بعد کے زمانہ
۱۰۳	۱۱	اذا نزل
۱۱۷	۱۲	سکتی
۱۲۰	۷	عذاب اس سے

صفحہ	سطر	صحیح لفظ
۱۲۴	۱۱	بس نہیں
۱۲۴	۱۱	دکھلاؤں
۱۳۳	۵	نئے جرم
۱۳۳	۱۵	روحانی
۱۳۳	۱۸	اس کے
۱۳۴	۲۰	کہ جھوٹے کو
۱۳۵	۵	درمیان
۱۳۷	۱۱	واقعہ
۱۳۷	۱۸	آخر تک
۱۴۰	۱۲	سمجھتے
۱۴۴	۹	اس دنیا کے
۱۴۶	۱۳	مبتلا رہا
۱۴۹	۱۱	میں
۱۵۷	۹	دیکھ کر مارٹن کلارک
۱۶۵	۱۹	بخاری و مسلم شریف

نظارت اصلاح وارشاد صدر انجمن احمدیہ
ربوہ

طرف سے تحفظ کی زیادتی جانتے
ہیں - ٨٦

١٣- الزام دہم کا جواب یہ جھوٹ
نہیں کہ آتھم کے متعلق مسیح موعود کی
زندگی میں ہلاک ہونے کی پیشگوئی موجود
تھی - ١١١

٢٠- اعتراض پنجم کا جواب - آئینہ
کمالات اسلام کے حاشیہ میں مرزا احمد بیگ
کے اپنی لڑکی کے نکاح کے بعد چھ مہینہ تک
مرنے کا ذکر سہو کتابت ہے - نہ کہ جھوٹ اس
کا ثبوت آئینہ کمالات اسلام کی دوسری
عبارت سے - ١٩١